احیائے اسلام اور امنِ عالم کا داعی کثیر الاشاعت میگزین

ماہنامہ منہاج القرآن لاہور

مارچ 2024ء

قربِ الٰہی کی علامات اور محرومی کے اسباب

شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہرالقادری کا علمی و روحانی خصوصی خطاب

اَخلاقی انحطاط کا تدارک

ذکرِ الٰہی اور صحبتِ صالحہ کا کردار

رمضان المبارک

فضیلت اور مقاصد

"دستورِ مدینہ اور فلاحی ریاست کا تصور"

ایوانِ اقبال لاہور میں عظیم الشان تقریب رونمائی

پروفیسر ڈاکٹر حسین محی الدین قادری کیلئے عالمی سفیرِ امن ایوارڈ

شیخ الاسلام کی 73 ویں سالگرہ دنیا بھر میں تقریبات کا انعقاد

THE MANIFEST QURAN برطانیہ میں تاریخی تقریب رونمائی

"یونیورسل پیس فیڈریشن" کا پروفیسر ڈاکٹر حسین محی الدین قادری کیلئے سفیرِ امن ایوارڈ

احیائے اسلام اور امن عالم کا داعی کثیر الاشاعت میگزین

ماہنامہ منہاج القرآن لاہور

بفیضان نظر
قدوۃ الاولیاء شیخ المشائخ حضرت سیدنا طاہر علاؤالدین القادری الگیلانی البغدادی قدس سرہ العزیز

زیر سرپرستی
شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری مدظلہ

زیر نگرانی
ڈاکٹر حسن محی الدین قادری | ڈاکٹر حسین محی الدین قادری

جلد: 38 / شمارہ: 3 | ۱۴۴۵ھ رمضان المبارک / مارچ 2024ء

چیف ایڈیٹر: نور اللہ صدیقی
ایڈیٹر: محمد یوسف
ڈپٹی ایڈیٹر: محبوب حسین

ایڈیٹوریل بورڈ
محمد رفیق نجم، محمد فاروق رانا
عین الحق بغدادی

مجلس مشاورت
خرم نواز گنڈاپور، احمد نواز انجم، جی ایم ملک
محمد جواد حامد، سرفراز احمد خان، منظور حسین قادری
غلام مرتضیٰ علوی، سید علی عباس بخاری، فیصل حسین مشہدی
محمد بلال اُپل، علی عمران، داؤد حسین مشہدی

قلمی معاونین
مفتی عبدالقیوم خان ہزاروی، محمد شفقت اللہ قادری
ڈاکٹر طاہر حمید تنولی، پروفیسر محمد الیاس اعظمی
ڈاکٹر ممتاز احمد سدیدی، ڈاکٹر محمد افضل قادری

حسن ترتیب خصوصی اشاعت

اداریہ: 23 مارچ کا پیغام	چیف ایڈیٹر	3
القرآن: قربِ الٰہی کی علامات اور محرومی کے اسباب	شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری	6
الفقہ: آپ کے فقہی مسائل	مفتی عبدالقیوم خان ہزاروی	22
رمضان المبارک: فضیلت، مقاصد، تحائفِ خداوندی	مفتی شبیر احمد	27
ضرورتِ مذہب اور وجودِ باری تعالیٰ	ڈاکٹر حسین محی الدین قادری	39
اخلاقی انحطاط کا تدارک: ذکرِ الٰہی اور صحبتِ صالحہ کا کردار	ڈاکٹر شفاقت علی شیخ	49
تحریک پاکستان میں علماء و مشائخ کا کردار	حافظ ظہیر احمد	61
The Manifest Quran تقریب رونمائی	رپورٹ	65
”دستورِ مدینہ اور فلاحی ریاست کا تصور“ تقریب رونمائی	رپورٹ	68
ڈاکٹر حسین محی الدین کیلئے عالمی سفیرِ امن ایوارڈ	رپورٹ	73
قائد کے تقریبات	رپورٹ	75

کمپیوٹر آپریٹر: محمد اشفاق انجم | گرافکس: عبدالسلام
خطاطی: محمد اکرم قادری | حکاکی: قاضی محمود الاسلام

قیمت فی شمارہ: 60 روپے | سالانہ خریداری: 700 روپے

ملک بھر کے تعلیمی اداروں اور لائبریریوں کیلئے منظور شدہ
www.minhaj.info
www.facebook.com/minhajulquran
email:mqmujallah@gmail.com (مجلّہ آفس وسالانہ خریداران)
minhaj.membership@gmail.com (نظامت ممبرشپ/رفقاء)
smdfa@minhaj.org (بیرون ملک رفقاء)

انتباہ!
مجلّہ منہاج القرآن میں آنے والے جملہ پرائیویٹ اشتہار خلوص نیت سے شائع کئے جاتے ہیں
ادارہ کی کسی کاروبار میں شراکت ہے اور نہ ہی ادارہ فریقین کے درمیان کسی بھی قسم کے لین دین کا ذمہ دار ہوگا۔

بدل اشتراک: مشرق وسطیٰ جنوب مشرقی ایشیاء، یورپ، افریقہ، آسٹریلیا، کینیڈا، مشرق بعید جنوبی امریکہ وریاستہائے متحدہ امریکہ 30 امریکی ڈالر سالانہ

ترسیل زر کا پتہ: اکاؤنٹ نمبر 02930103644000 میزان بینک شالیمار لنک روڈ لاہور پاکستان

ناشر: محمد اشرف قادری، مطبع: منہاج القرآن پرنٹرز 365 ایم ماڈل ٹاؤن لاہور UAN:042-111-140-140 Ext: 128

حمدِ باری تعالیٰ

دائماً لازوال تیری ذات
شانِ اوج کمال تیری ذات

دنیوی، اخروی ہر مرحلے میں
لے گی مجھ کو سنبھال تیری ذات

حدِّ ادراک سے ہے تو آگے
ماورائے خیال تیری ذات

ہر زمانے کا تو ہی خالق ہے
استقبال و حال تیری ذات

عالمِ غیب داں خبیر و علیم
آشنائے مآل تیری ذات

تو مکان و جہت سے یکسر پاک
اے کہ بے خدوخال تیری ذات

عقلِ نیّر میں تُو سمائے کہاں
بیروں از قیل و قال تیری ذات

﴿ضیاء نیّر﴾

نعتِ رسولِ مقبول ﷺ

کس طرح بیاں رفعتِ محبوبِ خدا ہو
جب عرشِ عُلا اُن کے قدم چوم رہا ہو

توصیفِ نبی دل کی ہو دھڑکن کا وظیفہ
''اے کاش سدا لب پہ مرے صلِّ علیٰ ہو''

تر کیوں نہ درودوں سے رکھوں اپنی زباں کو
ہمسائیگیِ شاہِ ہدیٰ جن کا صلہ ہو

طیبہ پہ فدا کیوں نہ ہوں مہر و مہ و انجم
تعظیم کو جس کی سرِ افلاک جھکا ہو

عشاقِ نبی نزع سے خائف ہوں تو کیوں ہوں
جب نزع بھی اُن کے لیے تقریبِ لِقا ہو

کب اس کو گرا سکتے ہیں دنیا کے حوادث
جو سرورِ عالم کے سہارے پہ کھڑا ہو

آبا میں مرے پہلے پہل جو ہوا مومن
کونین میں اُس مردِ مسلماں کا بھلا ہو

ہر رات میں ہمذآنی اسی شوق سے سوؤں
شاید کسی شب شاہ کا دیدار عطا ہو

﴿انجینئر اشفاق حسین ہمذآنی﴾

اداریہ

23 مارچ کا پیغام

23 مارچ کا تاریخ ساز دن ہر بار ہماری زندگیوں میں آتا اور گزر جاتا ہے مگر اس دن کی فکری اور عملی افادیت آج بھی عملدرآمد کی منتظر ہے۔ بانیان پاکستان نے قائداعظم محمد علی جناحؒ کی قیادت میں ہزار ہا اسلامیان برصغیر کے ہجوم میں ایک وعدہ کیا تھا کہ ایک ایسا وطن حاصل کریں گے جہاں قرآن و سنت کی تعلیمات کے مطابق سیاست، معیشت اور معاشرت نمو پائے گی۔ جہاں ہر طبقہ فکر کو بلا رنگ و نسل اپنے مذہبی اور ثقافتی رجحانات کے ساتھ بلا روک ٹوک زندگی گزارنے کی ضمانت حاصل ہو گی۔ یہ وہی سوچ تھی جس کے حوالے سے متحدہ ہندوستان میں مسلمانوں سمیت دیگر اقلیتوں کو نامساعد حالات کا سامنا تھا اور اقلیتیں ہندو اکثریت کے غلبہ کی وجہ سے فکری اعتبار سے سمٹ رہی تھیں اور انہیں آزادئ عمل میسر نہ تھی۔ تحریک آزادی سے مراد فقط جسمانی غلامی سے نجات نہیں تھا بلکہ اس سے مراد سوچنے، سمجھنے، بولنے اور اپنے مافی الضمیر کے اظہار کی آزادی تھا۔ جن قوموں نے آزادی کا تحفظ یقینی بنایا اور اجتماعی تخلیقی جوہر کو پروان چڑھایا، انہوں نے اپنے نظامِ تعلیم کو مکمل طور پر اپنے معروضی حالات و واقعات اور میلان و رجحانات کے تابع رکھا۔ جب بھی کسی قوم کو آزادی سے غلامی کے اندھیروں میں اتارنے کا عمل روبہ عمل آتا ہے تو سب سے پہلے اُس قوم کے نظامِ تعلیم پر ضرب لگائی جاتی ہے۔

1857ء کے بعد برصغیر کے قابض حکمرانوں نے 35 کروڑ مسلمانوں کو غلام بنانے کے لئے اسلحہ سے اتنا کام نہیں لیا جتنا کام بدیسی نظامِ تعلیم سے لیا گیا۔ مسلمان اردو، فارسی اور عربی زبان کے ذریعے علوم و فنون کے ماخذ سے جڑے ہوئے تھے اور آزادی کی جدوجہد کرنے والی قیادت انہی علوم و فنون پر دسترس رکھنے کی وجہ سے باشعور اور تعلیم یافتہ تھی۔ انگریز حکمران اپنی تمام تر چالاکیوں کے باوجود تحریک آزادی کی قیادت کو فکری اعتبار سے اپنا تابع فرمان نہ بنا سکا۔ برصغیر کے مروجہ نظام تعلیم کی وجہ سے ایک بہترین قیادت اُبھر کر سامنے آئی۔ اس پسِ منظر میں سرسید احمد خان کا تذکرہ بھی ضروری ہے جنہوں نے مستقبل کی تعلیمی ضروریات کو سامنے رکھتے ہوئے ایک جامع اور زمینی حقائق

سے ہم آہنگ نظامِ تعلیم وضع کیا اور ایک بہت بڑی افرادی قوت تیار کی جس نے آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر غاصب انگریز سے مکالمہ کیا اور آزادی کے حصول کے ساتھ ساتھ اپنی قوم کے مفادات کا تحفظ یقینی بنایا۔

23 مارچ 1940ء کی قراردادِ پاکستان کا یہ پیغام ہے کہ اگر ہم اپنے زوال کو کمال میں بدلنا چاہتے ہیں، اپنی مایوسیوں اور ملال کو علمی جاہ و جلال میں تبدیل کرنا چاہتے ہیں، اپنی نقاہت کو قوت و شجاعت میں بدلنا چاہتے ہیں تو پھر ہمیں اپنے نظامِ تعلیم کو اپنی قومی ضروریات کے مطابق تشکیل دینا ہو گا۔ 1857ء کے بعد برصغیر میں مروجہ نظامِ تعلیم کو مسخ کرنے کے لئے انگریز سرکار نے جو اقدامات کئے وہ تو تاریخ کا حصہ ہیں لیکن جب برصغیر کی تقسیم کی مہم اپنے منطقی انجام کی طرف پہنچنے لگی تو ہندو قیادت نے بھی غاصب انگریز کے نقشِ قدم پر چلتے ہوئے مسلمانوں کو اُن کے علمی ماخذ اور اساس سے کاٹنے کی ہر ممکن کوشش کی کیونکہ ہندو قیادت اس حقیقت سے آگاہ ہو چکی تھی کہ مسلمانوں کو کمزور کرنے اور غلام بنا کر رکھنے کے لئے انہیں ایک ایسے نظامِ تعلیم سے جوڑنا ہو گا جو انہیں ان کے علمی ماضی سے کاٹ دے اور ان کی قومی شناخت کو دھندلا بنا دے۔ ایسی ہی ایک بہت بڑی کوشش 1937ء میں کی گئی۔

1937ء میں نیا نصابِ تعلیم تیار کرنے کے لئے ڈاکٹر ذاکر حسین کی صدارت میں ایک 10 رکنی کمیٹی قائم کی گئی۔ اس 10 رکنی کمیٹی میں دو ممبر مسلمان تھے۔ اگرچہ ڈاکٹر ذاکر حسین مسلمان تھے مگر وہ فکری راہ نمائی گاندھی سے لے رہے تھے۔ اس کمیٹی نے دسمبر 1937ء میں ایک رپورٹ تیار کی جسے ”وارد ھا تعلیمی سکیم“ کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ اس سکیم کا بنیادی مقصد یہ تھا کہ مسلمانوں کی ایک ایسی نسل تیار کی جائے جو دو قومی نظریہ کی بجائے ایک قومی نظریہ پر یقین رکھے اور ان کے مذہب، تمدن، ثقافت، معاشرت اور روایات کو ختم کر کے ان کے ذہنوں پر ہندو ثقافت اور مذہب کی برتری کا نقش جما دے۔ مسلمانوں کی پوری تحریکِ آزادی کا جوہر دو قومی نظریہ میں پنہاں تھا جبکہ ”وارد ھا تعلیمی سکیم“ کا مرکزی نکتہ ہی دو کی بجائے ایک قومی نظریہ کی تشکیل تھا۔ ”وارد ھا تعلیمی سکیم“ میں موسیقی اور مخلوط تعلیم کو لازمی قرار دیا گیا تھا۔ اس نظامِ تعلیم میں ہندو ثقافت اور تمدن کی خوبیوں کو اجاگر کرنے کے لئے 5 کتابیں خصوصی طور پر تیار کی گئیں۔ اس نظامِ تعلیم میں حضور نبی اکرم ﷺ کی تعلیمات، مسلمانوں کی ہزار سال پر پھیلی ہوئی فتوحات اور شاندار علمی کمالات کو نظر انداز کیا گیا۔ مسلمانوں کی غالب آبادی برصغیر کے دیہات میں آباد تھی۔ اس ”وارد ھا تعلیمی سکیم“ میں اس بات کو بطور خاص شامل کیا گیا کہ دیہات میں مخیر حضرات کے مالی تعاون سے تعلیمی ادارے قائم کئے جائیں گے یعنی مسلمانوں کو تعلیم سے دور رکھنے کے لئے ریاستی سطح پر یہ گھناؤنی سازش تیار کی گئی۔ مسلمانوں کو زوال

کے پاتال میں دھکیلنے کے لئے اُنہیں ان کے مذہب اور تاریخ سے بے گانہ کرنے کی انتہائی زہریلی کوشش کی گئی۔

اس ساری تمہید کا بنیادی مقصد یہ باور کرانا ہے کہ بطور ملک اور قوم ترقی کرنے کے لئے ہمیں اپنے اسلاف کے علمی، تحقیقی کمالات کو شاملِ نصاب کرنا ہوگا۔ اپنی زبان کو پروان چڑھانا ہوگا اور اپنے اجداد کی تحقیق سے نئی نسل کو جوڑنا ہوگا۔ بدیسی زبان میں نظام تعلیم کی تشکیل آج سے 100 سال پہلے بھی ایک سازش تھی اور آج بھی یہ ایک سازش ہے۔ 23 مارچ 1940ء کا سب سے بڑا پیغام ہی یہ ہے کہ ہم اپنے نظامِ تعلیم کو تبدیل کریں اور یکساں نظامِ تعلیم کو رائج کریں۔ اگر آج ہم اس اہم کام کو کر لیں اور دہرے، تہرے نظامِ تعلیم سے نجات حاصل کر لیں تو پاکستان کا زوال کا سفر ترقی کے سفر میں تبدیل ہو جائے گا۔

یہاں تحریک منہاج القرآن کے بانی شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری کا بطور خاص ذکر کیا جائے گا کہ انہوں نے نہ صرف اس تعلیمی ضرورت کو محسوس کیا بلکہ مقاصد کے حصول کے لئے عملی پیش رفت بھی کی۔ تحریک منہاج القرآن کے پلیٹ فارم سے سب سے پہلے جامعہ اسلامیہ منہاج القرآن قائم کیا جہاں جدید اور قدیم علوم کو جمع کیا۔ یہاں زیر تعلیم طلبہ و طالبات دین کی تعلیم بھی حاصل کر رہے ہیں اور عصری علوم بھی پڑھ رہے ہیں اور پھر ایک اور قدم آگے آتے ہوئے کالج آف شریعہ اینڈ اسلامک سائنسز قائم کیا گیا۔ یہاں کا فارغ التحصیل سکالر بیک وقت ایک پروفیشنل بھی ہوتا ہے اور ایک دینی سکالر بھی ہوتا ہے اور پھر کالج آف شریعہ اینڈ اسلامک سائنسز کا عالم اسلام کی ممتاز یونیورسٹی جامع الازہر کے ساتھ الحاق کیا گیا۔ یہاں کے طلبہ جامعہ الازہر میں بھی داخلے لیتے ہیں اور جامعہ الازہر کے اساتذہ کالج آف شریعہ اینڈ اسلامک سائنسز میں طلبہ و طالبات کو زیورِ علم سے آراستہ کر رہے ہیں۔

اسی طرح پونے تین سو سال پرانے درس نظامی کے تعلیمی نظام کو بھی تبدیل کرنے کا کریڈٹ شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری اور نظام المدارس پاکستان کو جاتا ہے۔ آج سے 100 سال قبل تعلیم کے شعبہ میں جو کارہائے نمایاں سر سید احمد خان انجام دے رہے تھے، اس سلسلے کو شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری نے ایک نئے آہنگ اور رنگ کے ساتھ فی زمانہ جاری رکھا ہوا ہے۔ منہاج القرآن کے تعلیمی اداروں میں تعلیم کے ساتھ ساتھ تربیت کو بھی بطور خاص شامل نصاب کیا گیا ہے۔ اللہ رب العزت سے دعا ہے کہ جن کے ہاتھ میں عنان اقتدار اور قوم کے وسائل ہیں، وہ انہیں اس گتھی کو سلجھانے کی توفیق دے اور ایک نصاب اور ایک نظامِ تعلیم رائج کرنے کی توفیق اور ہمت دے۔ (چیف ایڈیٹر: نور اللہ صدیقی)

قُربِ الٰہی کی علامات اور محرومی کے اسباب

شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہرالقادری کا علمی و روحانی خصوصی خطاب

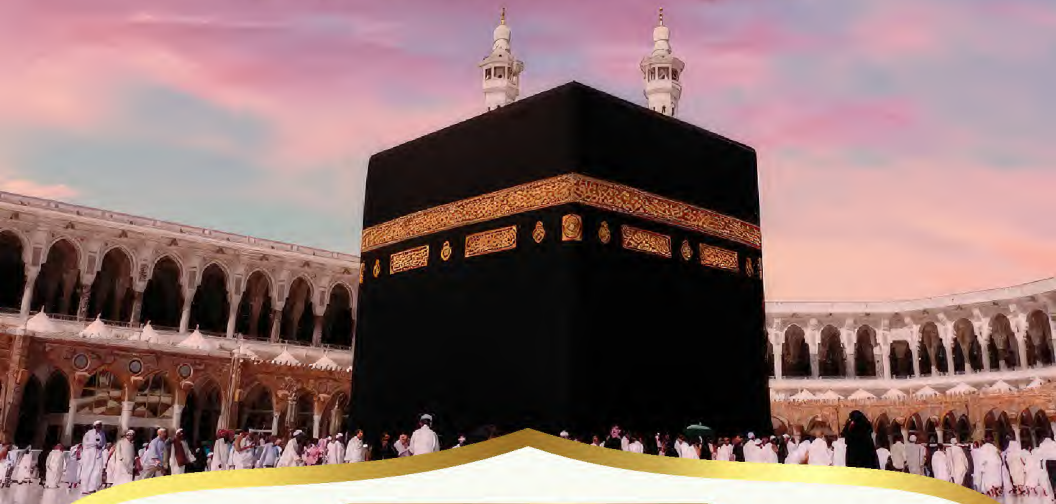

ترتیب و تدوین: محمد یوسف منہاجین

اللہ رب العزت نے ارشاد فرمایا:

وَإِذَا سَأَلَكَ عِبَادِي عَنِّي فَإِنِّي قَرِيبٌ (البقرۃ، ۲: ۱۸۶)

''اور (اے حبیب!) جب میرے بندے آپ سے میری نسبت سوال کریں تو (بتا دیا کریں کہ) میں نزدیک ہوں۔''

قربِ الٰہی کا حصول کیسے ممکن ہے؟ اس موضوع پر واضحیت کے لیے ضروری ہے کہ ہم اللہ رب العزت کے قرب کے معنٰی کو سمجھیں۔ اللہ رب العزت موجود ہے مگر وہ جسم اور جسمانیت پاک ہے، اُس کا کوئی حسی اور مادی وجود نہیں ہے کہ جسے چھوا یا محسوس کیا جا سکتا ہو۔ مادی وجود کے لیے قرب اور بُعد کا معنٰی مسافت اور فاصلہ کے اعتبار سے ہوتا ہے لیکن اللہ رب العزت کی بارگاہ کا قرب اور بُعد اِس معنٰی میں نہیں ہوتا۔ اللہ رب العزت کی ذاتِ اقدس شش جہات؛ آگے پیچھے، دائیں بائیں، اوپر نیچے اور ہر قسم کے قرب و بُعدِ مکانی سے پاک ہے۔

اللہ تعالیٰ کے قرب کا معنٰی قرآن مجید کی مذکورہ آیت کریمہ کی روشنی میں واضح ہوتا ہے۔ اِس آیت کریمہ میں یہ نہیں فرمایا کہ جب میرے بندے آپ سے میری نسبت سوال کریں تو ''اُنہیں بتا دیں'' کہ میں بہت قریب ہوں۔ ''اُنہیں بتا دیں'' کے الفاظ اِس آیت کریمہ میں بیان نہیں کیے

گئے۔ حالانکہ لفظی اسلوب اس بات کا تقاضا کرتا ہے کہ یوں کہا جاتا ہے کہ ''انھیں بتادیں کہ میں قریب ہوں۔'' قرآن مجید کے اس اسلوب میں کارفرما شانِ بلاغت میں یہ لطیف علمی نکتہ موجود ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس آیت کے پہلے حصہ؛ واذسالك عبادی عنی اور دوسرے حصہ فانی قریب کے درمیان مزید الفاظ کی صورت میں کچھ فاصلہ نہ آنے دیا۔

اگر یہ فرما دیا جاتا کہ ''اُنہیں فرما دیں کہ میں قریب ہوں'' تو پھر اِن زائد الفاظ کی وجہ سے ''عَنِّی'' (میری نسبت) اور ''فانی قریب'' (اللہ کی قربت) کے بیان میں فاصلہ آجاتا۔ پس اللہ تعالیٰ نے کمال درجے کی قربت کا بیان کرنے کے لیے تذکرۂ قرب میں دو الفاظ کا فاصلہ بھی گوارا نہیں کیا۔ یعنی واضح فرمادیا کہ میں اِتنا قریب ہوں کہ تمہارے اور میرے درمیان کوئی اور شے حائل ہی نہیں ہے اور میں نے اپنے اور تمھارے درمیان کوئی حجاب اور رکاوٹ نہیں رکھی۔

اس قرب کو اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں ایک اور مقام پر بھی بیان کیا ہے۔ اللہ رب العزت ہمیں مختلف معاملات سمجھانے کے لیے قرآن مجید میں ہماری سمجھ، فہم اور عادت کے مطابق مثال بھی دیتا ہے، چونکہ ان امثال کا تعلق انسان کے شب و روز کے معمولات اور عادات سے ہوتا ہے، لہذا اُن امثال سے بات انسان کو جلد سمجھ آجاتی ہے۔ اللہ رب العزت نے اپنے قرب کو ایک مثال کے ذریعے اس آیت کریمہ میں بیان فرمایا ہے:

وَنَحْنُ أَقْرَبُ إِلَيْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِيدِ (ق، ۵۰: ۱۶)

''اور ہم اس کی شہ رگ سے بھی زیادہ اس کے قریب ہیں۔''

شہ رگ اور انسان کی زندگی میں کوئی فاصلہ نہیں ہے۔ جونہی شہ رگ کٹے تو انسان ختم ہو جاتا ہے۔ گویا یہ کہا جاسکتا ہے کہ زندگی شہ رگ میں ہے۔ جانور کو ذبح کرتے وقت اس کی شہ رگ پر چُھری چلاتے ہیں تو شہ رگ کے کٹتے ہی زندگی ختم ہو جاتی ہے۔ اللہ رب العزت نے اس آیت کریمہ میں حَبْلِ الْوَرِيدِ (شہ رگ) کے لفظ کو استعمال کرکے دراصل انسان سے اس کی زندگی کے اس قدر قریب ہونے کا تصور دیا ہے یعنی علامتی طور پر سمجھایا ہے کہ جس طرح تم میں اور تمہاری شہ رگ (یعنی زندگی) میں اس قدر قریبی فاصلہ ہے کہ زندگی ہے تو انسان کا وجود ہے، زندگی نہیں تو انسان ختم ہو جاتا ہے، پس اسی طرح سمجھ لو کہ میں اُس سے بھی زیادہ تمھارے قریب ہوں۔ مقصد یہ ہے کہ میں اِتنا قریب ہوں کہ میرا قرب تمہاری سمجھ میں ہی نہیں آسکتا۔

حضرت یحییٰ بن معاذ رحمۃ اللہ علیہ جب اس آیت کریمہ کو پڑھتے تو فرماتے کہ میرے مولیٰ! شہ رگ سے بھی زیادہ قریب ہونے کا شرف تو نے اُن لوگوں کو بھی عطا کر دیا ہے جو تیرے قریب ہونے

کے طالب نہیں ہیں اور تجھ سے دور ہیں مگر وہ لوگ جو تیرے قریب آنا چاہتے اور تیرے طالب ہیں، اپنی طاعات، اعمالِ صالحہ، سجدوں، دل کی وسعت و کشادگی، ظاہر باطن کی طہارت اور صدق اور اخلاص کے ساتھ تیری طرف بڑھنا چاہتے ہیں اور بڑھ رہے ہیں، اُن کے ساتھ تیرے قرب کا عالم کیا ہوگا۔

قربِ الٰہی سے محرومی کے ذمہ دار ہم خود ہیں

انسان کے ذہن میں اس سوال کا پیدا ہونا کہ اللہ ہم سے کتنا قریب ہے؟ اس سوال کی وجہ یہ ہے کہ انسان کو اپنے اعمال کی خبر ہے کہ وہ کس قدر گناہوں، نافرمانیوں اور بداعمالیوں میں گھرا ہوا ہے، اسے اپنے حال کا علم ہے اور چونکہ وہ خود اللہ سے دور ہوتا جارہا ہے، اِس لیے اُسے بھروسہ نہیں کہ اللہ اس کے کتنا قریب ہے۔ جبکہ حقیقت یہ ہے کہ اللہ بندے سے دور نہیں ہوتا، بلکہ بندہ اللہ سے دور ہوتا ہے۔

لہٰذا یاد رکھیں کہ قربِ الٰہی بندہ اپنے دل میں محسوس کرتا ہے۔ وہ ہمارے قریب ہی ہے لیکن ہم اس سے قریب اور دور ہوتے رہتے ہیں۔ گناہوں، نافرمانیوں اور معاصی کی وجہ سے اس سے دور ہو جاتے ہیں اور طاعت، عبادات اور نیکیوں کے ذریعے اس کے قریب ہوتے چلے جاتے ہیں۔ پس قربِ الٰہی وہ حال ہے جو بندہ اپنے دل میں محسوس کرتا ہے کہ میں مولیٰ کے کتنے قریب ہوں اور مجھے اللہ کے قریب ہونے پر کیا کیفیات نصیب ہو رہی ہیں؟

بندہ جب کسی بڑے کے قریب ہوتا ہے تو وہ اُتنا ہی حیا والا ہوتا ہے، اُتنا ہی باادب ہوتا ہے، اُس کی اِتنی ہی جھجک اور ڈر ہوتا ہے۔ اگر کوئی بے حساب اللہ کا حیا کرتا ہے اور اس سے ڈرتا ہے کہ کہیں اُسے ناراض نہ کر بیٹھوں تو اس وقت خوف، حیا اور محبت کی جو کیفیت بندہ دل میں محسوس کرتا ہے، سمجھ لیں کہ بندہ اسی قدر اللہ کے قریب ہے اور جوں جوں اس کا حیا کم ہوتا چلا جائے تو سمجھیں کہ بندہ اتنا ہی اللہ سے دور ہو گیا ہے۔ اللہ کے اوامر و نواہی کو توڑنے کا خوف اگر بندہ دل میں محسوس نہیں کرتا تو سمجھیں کہ وہ اللہ سے دور ہے۔

گویا ہم اپنے اعمال، اپنے قلبی امراض، اپنے گناہوں اور نافرمانیوں کی وجہ سے اپنے آپ کو اس سے دور کرتے رہتے ہیں اور طاعات، عبادات، اعمالِ صالحہ کے ذریعے اس کے قریب ہوتے رہتے ہیں۔ قریب اور دور ہونے کا عمل ہمارا ہے جبکہ اللہ رب العزت کی قربت ہمیشہ قائم رہتی ہے، وہ تو کسی سے دور ہوتا ہی نہیں ہے۔

حضور نبی اکرم ﷺ نے بھی اپنے فرامین کے ذریعے قربِ الٰہی کے تصور سے بخوبی آگاہ فرمایا ہے۔ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا کہ اللہ رب العزت فرماتا ہے:

إِذَا تَلَقَّانِي عَبْدِي بِشِبْرٍ، تَلَقَّيْتُهُ بِذِرَاعٍ، وَإِذَا تَلَقَّانِي بِذِرَاعٍ، تَلَقَّيْتُهُ بِبَاعٍ، وَإِذَا تَلَقَّانِي بِبَاعٍ أَتَيْتُهُ بِأُسْرَعَ

(صحیح مسلم، کتاب الذکر والدعاوالتوبۃ والاستغفار، ۴: ۲۰۶۱، الرقم: ۲۶۷۵)

یعنی اگر میرا بندہ ایک بالشت میری طرف بڑھتا ہے تو میں ایک ہاتھ کے برابر اُس کی طرف بڑھتا ہوں اور اگر وہ ایک بازو کے برابر میرے طرف بڑھتا ہے تو میں دو بازوؤں کی مقدار اُس کی طرف بڑھتا ہوں اور اگر وہ میری طرف دو ہاتھ بڑھتا ہے، میرے قریب آنے کی کوشش کرتا ہے اور اُس نے اپنی خطاؤں، غلطیوں، غفلتوں، گناہوں اور نافرمانیوں کے ذریعے مجھ سے منہ موڑ کر جو فاصلے پیدا کر لیے تھے، ان فاصلوں کو مٹانے کی کوشش کرتا ہے تو میں اُس سے کئی گنا زیادہ تیزی کے ساتھ اُسے قربت سے نوازتا ہوں۔

اس حدیث مبارک میں تین مثالیں دی ہیں حالانکہ اللہ بھاگنے سے بھی پاک ہے، بازوؤں کے فاصلے بھی پاک ہے اور بالشتوں کے فاصلے بھی پاک ہے مگر ہمیں سمجھانے کے لیے ان الفاظ کو استعمال فرمایا۔ یعنی اگر کوئی نیکی، طاعت، عبادت، پرہیزگاری اور نیک کام جتنی مقدار اور جس قدر مستعدی کے ساتھ کرتا ہے تو اللہ اس سے بڑھ کر اپنی شان کے لائق بندے کو اپنی قربت سے نوازتا ہے۔

قربتِ الٰہی سے محرومی کے اسباب

ہم اپنے خود ساختہ اعمال، عقائد اور خیالات جو نفس، شیطان اور دنیا کی جانب سے آتے ہیں اور جنھیں ہم اپنی سماعت و بصارت اور عقل و دماغ کے ذریعے حاصل کرتے ہیں، ان کے سبب قربتِ الٰہی سے محروم رہتے ہیں۔ ان نفسیاتی، شیطانی اور دنیاوی خواہشات کے سبب ہمارے قلوب و ارواح پر کچھ پردے اور حجابات آجاتے ہیں، جن کے سبب ہم اللہ کے لطف و کرم سے دور ہوتے چلے جاتے ہیں۔ ذیل میں اللہ کی قربت سے محرومی کا سبب بننے والے چند حجابات بیان کیے جاتے ہیں:

(۱) حجاب الکفر والشرک

سب سے پہلا حجاب جو سب سے خطرناک ہے وہ کفر و شرک کا حجاب ہے۔ بندہ اللہ پر ایمان ہی نہیں رکھتا اور اس کے ساتھ شریک ٹھہراتا ہے۔ یہ عمل انسان کو اللہ کی قربت سے محروم کر دیتا ہے۔

(۲) حجاب العقائد الفاسدۃ

دوسرا حجاب یہ ہے کہ بندہ مسلمان ہے مگر گمراہ کن عقائد اور غلط و فاسد خیالات کے سبب قربِ الٰہی سے محروم رہتا ہے۔ یہ حجاب بندے کو اللہ سے اس لیے دور کر دیتا ہے کہ اس کے یہ خود ساختہ خیالات

صحیح نہیں بلکہ باطل ہیں اور قرآن مجید اور آقا علیہ السلام کے فرمودات کے مطابق نہیں اور اسلام کے تصور سے ہٹ کر ہیں۔ یہ غلط عقائد اور خیالات انسان کو تعلیمی اداروں، میڈیا اور ماحول کے زیر اثر ملتے ہیں، جہاں ہمارا روز کا آنا جانا اور زندگی کا معمول ہے۔ یہ غلط خیالات، نظریات اور غلط تصورات آہستہ آہستہ ہمارے اذہان میں جم جاتے ہیں اور ہم سمجھتے ہیں کہ یہ ہی حقیقت ہیں اور پھر ہم اُس پر یقین کرنے لگ جاتے ہیں۔ اِس طرح انسان نظریاتی طور پر بھٹک جاتا ہے۔

(۳)حجاب الكبائر الباطنية

باطنی کبیرہ گناہ اللہ کی قربت سے محرومی کا تیسرا سبب ہیں۔ جیسے حقد، حسد، کبر، تکبر، عجب، خود پسندی، ریاکاری، بُغض، کینہ، دنیا کا حرص، مال دولت اور منصب کا لالچ وغیرہ۔ یہ حجابات باطنی کبیرہ گناہ ہیں۔ یہ حجابات بندے کو اللہ سے دور کرنے کا سبب اس لیے ہیں کہ چونکہ اللہ کی قربت کے احساس، مقامِ قربت الٰہیہ کے حصول، قربتِ الٰہیہ کے شعور و مشاہدہ اور قربتِ الٰہیہ کی لذتوں اور حلاوتوں کے پانے کا مقام دل ہے، جب دل غلاظتوں اور باطنی گناہوں کے ساتھ معمور ہو گیا تو پھر اس میں قربتِ الٰہیہ کی حلاوت کہاں سما سکتی ہے۔ ان تمام باطنی گناہوں کا تعلق چونکہ مخلوق کے ساتھ ہے، اس لیے مخلوق خدا کے حوالے سے دل کی حفاظت نہ کرنا، قربِ الٰہی سے محرومی کا سبب ہے۔

(۴)حجاب الكبائر الظاهرة

چوتھا حجاب ظاہری گناہ کی صورت میں ہے۔ اُن میں قتل، بدکاری، والدین کی نافرمانی، رزقِ حرام اور سارے محرمات جن کو اللہ اور اُس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حرام قرار دیا ہے، شامل ہیں۔ یہ ظاہری کبیرہ گناہ بندے کو اللہ کے قریب نہیں ہونے دیتے۔

(۵)حجاب الصغائر من الذنوب

پانچواں حجاب صغیرہ گناہوں کا حجاب ہے۔ ہر وہ کام جو اللہ اور اُس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دیئے ہوئے طریق سے ہٹ کر ہے اور اُس کے خلاف ہے، وہ صغیرہ گناہ ہے۔ اس میں کسی سے نفرت، حقارت، مذاق اڑانا، معاملے میں کمی و بیشی کرنا، بڑوں کا احترام اور چھوٹوں پر شفقت نہ کرنا اور اس جیسے سیکڑوں وہ معاملات آتے ہیں، جن کا انسان کو ادراک نہیں۔ ہر صغیرہ گناہ اللہ کی قربت کے حصول کی راہ میں ایک پردہ حائل کرتا چلا جاتا ہے۔

یاد رکھیں! گناہِ صغیرہ یا کبیرہ کے حجابات کثرتِ عبادات سے بھی اس وقت تک دور نہیں ہوتے جب تک ان گناہوں کو کلیتاً ترک نہ کیا جائے۔ عبادات اور توبہ کرنے سے ان میں تخفیف یا کمی تو ہو سکتی ہے مگر ان کو مکمل ترک کیے بغیر یہ حجاب ختم نہیں ہوتا۔

(۶)حجاب الفاضلات والتوسع فی المباحاۃ

چھٹا حجاب نہایت عجیب ہے۔ یہ صغیرہ یا کبیرہ گناہوں کی صورت میں نہیں آتا بلکہ وہ اعمال جو گناہ کے زمرے میں نہیں آتے مگر فضول چیزیں ہیں، مباح امور جن کے کرنے سے گناہ اور ثواب نہیں، ان بے کار اور لغو امور کو کرنے سے یہ حجاب آتا ہے اور بندے کو قربتِ الٰہی سے محروم کر دیتا ہے۔ ایسے امور اس لیے حجاب کا باعث بنتے ہیں کیونکہ یہ وقت کو ضائع کرنے کا سبب ہیں۔ جو وقت ان لغو اور بے کار کاموں میں صرف کیا، اُس وقت بندہ کوئی نیکی، بھلائی اور خیر کا کام کر سکتا تھا۔ کثرت کے ساتھ ایسے اعمال کی انجام دہی بالآخر حجاب بن جاتی ہے۔ اس کی مثال ہماری روزمرہ زندگی میں گپ شپ لگانے کی ہے کہ ہم گھنٹوں بیٹھ کر فضول اور لایعنی گپ شپ میں مصروف رہتے ہیں۔

(۷)حجاب الغفلۃ عن الاستحضار

ساتواں حجاب بھی ایک باطنی حجاب ہے۔ اس کا تعلق غفلت کے ساتھ ہے۔ بندہ اللہ کا ذکر، عبادت اور تسبیح کر رہا ہے مگر دل ان میں مستغرق نہیں بلکہ غفلت کا شکار ہے۔ جو کچھ کر رہے ہیں، دل اُس سے غافل ہے۔ ارشاد فرمایا:

وَلَا تُطِعْ مَنْ أَغْفَلْنَا قَلْبَهُ عَن ذِكْرِنَا (الکھف، ۱۸: ۲۸)

اور تو اس شخص کی اطاعت (بھی) نہ کر جس کے دل کو ہم نے اپنے ذکر سے غافل کر دیا ہے۔

تسبیح کرتے ہیں مگر دل اُس تسبیح کے ساتھ نہیں ہے۔۔۔ عبادت کر رہے ہیں مگر اللہ کے حضور حاضر نہیں ہیں۔۔۔ اس کی بارگاہ میں سوچ اور دل جما ہوا نہیں ہے۔۔۔ نماز اور دعا میں اس کو پکار رہے ہیں مگر پکارتے ہوئے یہ تصور نہیں کہ میں اس کے سامنے ہوں اور اس سے بات کر رہا ہوں، اُس کو اپنی بات سنا رہا ہوں۔۔۔ اُس کے حضور کھڑا ہوں اور اُس کی بارگاہ میں سجدہ ریزی کر رہا ہوں۔ جب بندہ ان تصورات سے خالی ہو کر غفلت کے ساتھ اس کی عبادات کرتا ہے تو یہ عملِ عبادت بھی اس کے لیے ایک حجاب کا باعث ہے۔

مذکورہ سات اقسام کے حجابات میں سے ہر ایک حجاب کے اندر بے شمار اعمال اور افعال ہیں۔ یہ حجابات بندے کو قربِ الٰہی سے محروم کرتے ہیں۔ ان سات حجابات کے انسان کے دل پر اثر انداز ہونے کے چار عوامل اور دروازے ہیں۔ تمام گناہ، خیالات، خواہشات، شہوات، تمنائیں، سوچیں، تصورات اور نظریات ان چار راستوں سے انسان کے دل میں داخل ہوتے ہیں اور ان حجابات کو قائم کرنے کا سبب بنتے ہیں:

۱۔ نفس ۲۔ شیطان ۳۔ خواہش ۴۔ دنیا

ان چار راستوں کے ذریعے حجابات انسان کے قلب میں داخل ہوتے ہیں اور بندے کو اللہ رب العزت کی قربت سے محروم کرنے کا سبب بنتے ہیں۔

قربِ الٰہی عطا کرنے والے اسباب وذرائع

جس طرح کچھ اسباب سے حجابات پیدا ہوتے ہیں، اس طرح کچھ ایسے عناصر اور اسباب بھی ہیں جو قرب عطا کرتے ہیں اور بندے کو قربِ الٰہی کی طرف لے جاتے ہیں۔ ذیل میں اُن میں سے چند کا تذکرہ کیا جاتا ہے:

(۱) ادب

سارے اعمال کچھ نہ کچھ خیر دیتے ہیں۔ ہر عمل کی اپنی ایک نوعیت اور اثر ہوتا ہے، مگر ایک عمل ایسا ہے جو سب سے زیادہ مجرب ہے اور بندے کو اللہ کی قربت سے نوازتا ہے اور بندے کو اللہ کا مقرب بناتا ہے۔ قرب سے نوازنے والا رب خود کو مقرب نہیں کہتا بلکہ بندے کو مقرب کہتا ہے اور اپنے بارے میں کہتا ہے کہ ''فانی قریب'' کہ ''میں قریب ہوں'' پس بندے کو قریب نہیں کہتے بلکہ مقرب کہتے ہیں۔ یعنی اِس کو قرب سے نوازا گیا ہے۔ قرب کی نسبت بندے کے عمل یا فعل کی طرف نہیں کی، اس لیے کہ اِس سے رعونت پیدا ہوتی ہے۔ لفظ مقرب کا استعمال خود دلالت کرتا ہے کہ بندہ سب کچھ ترک کر رہا ہے اور اعلان کر رہا ہے کہ میں کچھ نہیں ہوں اور میرا کوئی عمل اس کے قریب ہونے کا باعث نہیں بنا۔ بندہ کسی چیز یا نیکی کو اپنی طرف منسوب نہیں کرتا، وہ اِس ٹائٹل کو بھی اپنے پاس سے ہٹا دیتا ہے کہ میں اس کے قریب ہوں۔ کسی بندے کو اجازت نہیں کہ وہ کہے میں اس کے قریب ہوں اور نہ ہی کسی اللہ کے بندے نے یہ دعویٰ کیا ہے۔ یہ اللہ کا حق ہے کہ وہ جس کو چاہے، قرب سے نواز دے۔

یہ نکتہ ''ادب'' ہے۔ میں نے تعلیماتِ اسلام میں سے جو کچھ آج تک مطالعہ کیا ہے، اس کا لب لباب یہ ہے کہ سارے اعمال بندے کو فائدہ دیتے ہیں مگر قربِ الٰہی کی طرف سفر کی ابتداء ادب سے ہوتی ہے۔ اس ادب میں ادبِ الٰہی، ادبِ رسالت مآب ﷺ اور ادبِ صالحین شامل ہے۔ ہر وہ عمل جو ادب سے خالی ہے، وہ مقبول رہتا ہے اور نہ حسین رہتا ہے۔۔۔ ادب ہر عمل کو حسین و جمیل بنا دیتا ہے۔۔۔ ادب؛ زبان و گفتگو کو حسین بناتا ہے اور اثرات بڑھا دیتا ہے۔۔۔ ادب؛ تعلق میں خوشگواری پیدا کر دیتا ہے۔ آداب جس قدر اچھے ہوتے جاتے ہیں، اُتنی قبولیت بڑھتی جاتی ہے۔ جس طرح ہم اچھے ادب والے کو اپنے قریب کرتے ہیں، اِس طرح اللہ بھی اچھے ادب والے کو اپنے قریب کرتا ہے۔

(۲) غیبت، حسد اور عیب جوئی سے اجتناب

قربِ الٰہی کا باعث بننے والا دوسرا سبب غیبت، حسد اور عیب جوئی سے پاک ہونا ہے۔ حضرت قیس العامری بیان کرتے ہیں کہ حضور علیہ السلام نے ارشاد فرمایا کہ حضرت داؤد علیہ السلام نے اللہ کی بارگاہ عرض کیا:

يا رب؛ علمني شيأً أتقرب به إليك؟ قال: نعم يا داؤد أعلمك شيأً- قال: ما هو يا رب؟ قال: لا تغتب عبادي المسلمين ولا تحسد عبداً لي إذا رأيت فضل نعمتي عليه.

(أبو سعد النیشاپوری، تہذیب الأسرار: ۷۳)

اے اللہ مجھے کوئی ایسی چیز سکھا دے جس کے ذریعے مجھے تیرا قرب نصیب ہو جائے۔ فرمایا: ہاں میرے داؤد میں تمہیں ایک چیز بتاتا ہوں کہ جس سے میرا قرب ملے گا۔ عرض کیا: میرے مولیٰ! وہ کیا ہے؟ فرمایا: میرے بندوں کی کبھی غیبت نہ کرنا اور جب میرے کسی بندے پر میری نعمت دیکھے کہ میں نے اسے زیادہ دیا ہے اور اس پر دینی، دنیاوی، مالی، اخلاقی، علمی حوالے سے زیادہ کرم کیا ہے تو میرے بندے پر زیادہ نعمت دیکھ کر اُس پر کبھی حسد نہ کرنا۔

یعنی دل کو اِتنا نرم اور وسیع بنالیں کہ نہ وہ کسی کی بُرائی دیکھے، نہ کسی کی برائی کا تذکرہ کرے اور نہ ہی کسی کو حاصل نعمت پر حسد کرے۔ اگر بندہ دل کو ایسا کرلے تو اسے اللہ کا قرب نصیب ہو جائے گا۔

(۳) اللہ سے موافقت اختیار کرنا

اللہ کے قرب کے حصول کا تیسرا سبب اس کے ساتھ موافقت اختیار کرنا ہے۔ جو لوگ اللہ کے امر کے مخالف ہیں اور اُن کی طبیعت، اللہ کے احکام کے ساتھ مناسبت نہیں رکھتی، وہ اللہ سے دور ہو گئے اور وہ لوگ جو اللہ کے تابعدار اور وفادار ہو جاتے ہیں، وہ اپنے دلوں اور طبائع میں یہ تبدیلی لاتے ہیں کہ اللہ کے حکم سے اُن کی طبیعت راحت پاتی ہے اور ان کی طبائع اللہ کے احکام سے موافق ہو جاتی ہیں۔ اس کو اس مثال سے سمجھیں کہ ہم دنیاوی زندگی میں ان لوگوں کے ساتھ چلتے اور اٹھتے بیٹھتے ہیں جن کے ساتھ ہماری طبائع اور مزاج موافق ہوتا ہے۔ موافق اور موافقت کا مطلب ہے کہ انسان جس چیز سے راحت، سکون اور اطمینان پائے اور اُسے اس کے ساتھ چلنے میں کوئی تنگی، پریشانی اور ضرر نہ ہو۔ جہاں ہم گھٹن محسوس کریں اور سکون اور راحت نہ ہو، اُس کو عدمِ موافقت یا مخالفت کہتے ہیں۔

قربِ الٰہی کا راستہ اُس وقت کھلتا ہے جب ہمارے دل اور طبیعت میں اللہ کے احکام کے ساتھ موافقت پیدا ہو جائے یعنی جب ہم اللہ کے احکام کی بجاآوری تکلفاً نہیں کر رہے ہوتے، اپنے آپ کو اس کے احکام نماز، روزہ، زکوٰۃ، حج، اوامر و نواہی کی طرف دھکیل کر نہیں لے جا رہے ہوتے بلکہ طبیعت اس کی طرف جانے میں راحت محسوس کر رہی ہوتی ہے۔۔۔ طبیعت اللہ کی غلامی، عبادت گزاری، بندگی، طاعت کی طرف خود بخود راغب ہو رہی ہوتی ہے۔۔۔ اور اللہ کے ساتھ ہی اسے اِتنی موافقت ہو چکی ہوتی ہے کہ اللہ کے احکام کے ساتھ اسے راحت ملتی ہے۔

وہ طبائع بڑی اعلیٰ ہیں جو صرف خیر پر ارتکاز کر کے اپنی موافقت پیدا کر لیتی ہیں اور شر کو نظر انداز

کرتی ہیں۔ کسی کی بُرائی کو نظر انداز کر دیتی ہیں اور اُس میں موجود خیر کے پہلو سے موافقت پیدا کر لیتی ہیں۔ اگر موافقت اللہ کے احکام کے ساتھ ہو جائے تو قرب کا دروازہ کھلتا ہے۔

حضرت ذوالنون مصری فرماتے ہیں کہ میں نے ایک شخص کو کعبۃ اللہ کا طواف کرتے دیکھا۔ اُس کا جسم نحیف، کمزور، لاغر تھا اور اس کا رنگ بھی زرد تھا، جیسے خوف کی کیفیت ہو۔ میں نے اس سے پوچھا: کیا آپ محبت کرنے والے ہیں؟ اُس جوان نے مجھے کہا: ہاں، میں محب ہوں۔

میں نے پوچھا: حبیبك منك قريب أم بعيد؟

آپ کا محبوب آپ کے قریب ہے یا آپ سے دور ہے؟

اُس نے جواب دیا کہ میرا محبوب میرے قریب ہے۔

میں نے پوچھا: موافق أوغير موافق؟

آپ کے ساتھ اُس کی موافقت ہے یا عدم موافقت؟ یعنی آپ سے راضی رہتا ہے یا ناراض رہتا ہے؟ اس نوجوان نے کہا: میرے ساتھ بہت راضی رہتا ہے۔

فرماتے ہیں کہ میں بڑا حیران ہوا اور سبحان اللہ کہتے ہوئے اس نوجوان سے کہا کہ اے بندے! تیرا محبوب ہے اور تجھ سے قریب بھی ہے اور تجھ سے راضی بھی ہے لیکن پھر یہ خوف اور چہرے پر زردی کی کیفیت کیوں ہے؟ اُس نے کہا:

أما علمت أن عذاب القرب والموافقة أشد من عذاب البعد والمخالفة. (أبو سعد النیشاپوری، تہذیب الأسرار: ۷۴)

تمہیں معلوم نہیں قرب اور موافقت کا جو امتحان ہوتا ہے، یہ دوری اور مخالفت کے امتحان سے زیادہ شدید ہوتا ہے۔

یعنی جو آدمی اللہ سے دور ہے، اُسے کیا امتحان ہے، وہ تو غافل ہو چکا ہے، اُس پر تو پردے پڑ گئے ہیں، وہ اللہ کے احکام کا مخالف ہے اور اللہ بھی اُس سے ناراض ہے۔ اِس کے دل پر مخالفت نے اِتنے پردے ڈال دیئے ہیں کہ اِس کو پرواہ ہی نہیں رہی لہذا وہ کسی امتحان میں نہیں ہے۔ اپنے اس عمل کا عذاب وہ بعد ازاں بھگتے گا مگر وہ بندہ جو اللہ کے قریب ہوتا ہے اور اللہ اسے اپنی موافقت اور رضا دیتا ہے، وہ تو ہر وقت اپنے آپ کو اللہ کے سامنے محسوس کرتا ہے، اللہ اسے دیکھ رہا ہے، اُس سے راضی ہے، اُس پر انعام کرتا ہے تو اِس سے اس بندے میں جو حیا پیدا ہوتی ہے، اُس حیا کا امتحان اور آزمائش دنیا کی سب سے بڑی آزمائش ہے۔ اُس آزمائش میں یہ ہوتا ہے کہ وہ ہر لمحہ خوفزدہ رہتا ہے کہ کہیں مجھ سے بے ادبی نہ ہو جائے۔۔۔ کہیں مجھ سے خطا نہ ہو جائے۔۔۔ کہیں میں اپنے محبوب کو ناراض نہ کر بیٹھوں۔۔۔ کہیں

اُس کی موافقت کم نہ ہو جائے۔۔۔ پس ہر لمحہ یہ کھٹکا رہتا ہے اور یہ سوچ انسان کو پریشان رکھتی ہے۔ اگر یہ پریشانی انسان کے قلب کو لاحق رہے تو سمجھیں اللہ تعالیٰ نے اسے اپنے چشمہ قرب میں سے چند قطرے دے دیئے ہیں اور اپنے قرب کا حصہ عطا کر دیا ہے۔

☆ حضرت ابو بکر الوراقؒ بیان کرتے ہیں کہ

من نظر إلى الله عزوجل بقلبه قريباً بعد من كل شيئ سوى الله تعالى.(اُبو سعد النیشاپوری، تہذیب الأسرار: ۷۳)

جب بندہ اپنے دل کو اللہ کے قریب کرتا ہے تو اس قرب الٰہی کے سبب اللہ کے سوا ہر شے اُس کے دل سے دور ہو جاتی ہے۔

جو لطف، مزہ، کیفیت اور سرور اسے اللہ کی قربت میں نصیب ہوتا ہے، اس کے سبب اب کسی شے کی تمنا، حرص لالچ اور تڑپ اس کے اندر نہیں رہتی۔ پس اس کی موافقت کے حصول کے لیے ضروری ہے کہ اللہ سے دور کرنے والی ہر شے اور اللہ کے ہر غیر سے دل منقطع ہو جائے۔ انسان کا جسم امور دنیا سے تعلق میں رہتا ہے، دنیاوی فرائض ادا کرتا ہے، ذمہ داریاں ادا کرتا ہے، مگر قلب ان امور سے اپنا تعلق کاٹ لیتا ہے۔ وہ اللہ کے ساتھ ایک خوبصورت تعلقِ اُنس و موافقت اور رضا میں بندھ جاتا ہے اور اسے یہ راحت کسی اور طرف دھیان ہی نہیں کرنے دیتی۔

(۴) حضوری کے ساتھ نماز پڑھنا

قربِ الٰہی کے حصول کا چوتھا سبب حضوری قلب کے ساتھ نماز کی ادائیگی ہے۔ جس طرح ہم نماز پڑھتے ہیں، یہ نماز حقیقی نماز نہیں ہے۔ ہم تو صرف فرض کا بوجھ اُتارتے ہیں۔ اصل نماز یہ ہے کہ جب جسم مصلے پر کھڑا ہو تو دل بھی اللہ کی بارگاہ میں موجود ہو۔۔۔ چہرے کا رخ کعبے کی طرف ہو تو دل کا رخ ربِ کعبہ کی طرف ہو۔۔۔ جب نماز میں کلمات ادا کر رہے ہوں تو ایسا محسوس کریں کہ اللہ سن رہا ہے اور میں سنا رہا ہوں۔۔۔ اِس حضوری کے ساتھ نماز پڑھیں۔ یاد رکھیں! سکون اور راحت سے ادا کی گئی نماز ہی قرب الٰہی کا دروازہ کھولتی ہے۔ نماز وہ قربت دیتی ہے جو جنتیوں کو جنت میں بھی نہیں ملے گی۔ حضوری کے ساتھ ادا کی گئی نماز کی وجہ سے قرب کی جو لذت ملتی ہے، جنتی بھی اُس کے مشتاق ہوں گے۔ اِس لیے نماز کو مومن کی جنت نہیں کہا بلکہ مومن کی معراج کہا ہے۔ جنت عرش سے نیچے ہے جبکہ معراج عرش سے اوپر ہے۔ اگر معراج کی کیفیت ہو جائے تو بندہ ملائے اعلیٰ اور لامکاں میں چلا جاتا ہے۔

حضرت امام محمد بن سیرین بیان کرتے ہیں کہ اگر مجھے یہ اختیار دے دیا جائے کہ جنت لے لو یا دو رکعت نماز پڑھنے کا وقت لے لوں تو میں دو رکعت نماز کا وقت لے لوں گا۔ اِس لیے کہ حضوری کی

کیفیت کے ساتھ نماز میں قربِ الٰہی کی جو لذت ملتی ہے، وہ شاید جنتیوں کو وہاں نصیب نہ ہو۔
(الرفاعی، حالۃ أھل الحقیقۃ مع اللہ: ۹۰، الرقم: ۱۷)

قربِ الٰہی کی علامات

اولیاء، صلحاء اور صوفیاء نے اپنے اپنے تجربہ اور مشاہدہ کی بناء پر اللہ تعالیٰ کی قربت کی مختلف علامات کو بیان کیا ہے۔ ذیل میں اُن میں سے چند علامات کو ذکر کیا جاتا ہے:

(۱) طاعات کی طرف رغبت

حضرت محاسبی بیان کرتے ہیں کہ قرب کی علامت یہ ہے کہ

أن یتقرب العبد إلی اللہ سبحانہ بالطاعات.

(أبو سعد النیشاپوری، تہذیب الأسرار/ ۷۴)

بندہ اپنی طاعات، عبادات اور نیکیوں کے ذریعے قدم آگے بڑھاتا ہوا اللہ کے قریب ہوتا چلا جائے۔

(۲) دل کی اللہ کے ساتھ مشغولیت

عارفین میں سے کسی سے پوچھا گیا کہ قربِ الٰہی کا کیسے تعین کریں اور اسے کیسے محسوس کریں تو انھوں نے فرمایا:

القرب شغل القلب باللہ تعالیٰ.

(أبو سعد النیشاپوری، تہذیب الأسرار/ ۷۴)

دل اللہ کے ساتھ ہر وقت مشغول رہے۔ یعنی ہر وقت دل میں اللہ کی یاد غالب رہے۔۔۔ اللہ کی رضا کی کیفیت دل پر چھائی رہے۔۔۔ اللہ کی اطاعت، لذت پیدا کرے۔۔۔ اُس کے قرب اور اُس کے حیا کا احساس رہے۔۔۔ اُس کے مشاہدہ کا خیال رہے کہ ہمارے دل کو وہ تک رہا ہے۔ اگر ہر وقت دل اللہ کے ساتھ اس طرح مشغول رہے تو جان لیں اِس دل کو اللہ کا قرب نصیب ہو گیا۔ اللہ تعالیٰ اُن لوگوں کے اُتنا ہی قریب ہوتا ہے کہ جتنا اُس بندے کا دل اللہ کے قریب ہوتا ہے۔

☆ اولیاء اور عرفاء اور مقربین کہا کرتے تھے:

مانظرت إلی شیء إلا ونظرت اللہ تبارك وتعالیٰ أقرب إلی منہ.

(أبو سعد النیشاپوری، تہذیب الأسرار/ ۷۵)

میں نے زندگی میں جس چیز کو بھی قریب سے قریب تر دیکھا ہے، اللہ کو اُس سے بھی قریب دیکھا

ہے۔ یعنی بندے کے دل کی آنکھ کھل جاتی ہے اور وہ اپنے انداز کے ساتھ اللہ کے لطف و کرم اور انعام کو اپنے قریب دیکھتا ہے۔

☆ حضرت ابو سلیمان الدارانیؒ جلیل القدر صوفیاء اور عارفین میں سے ہوئے ہیں، اُن سے کسی نے پوچھا کہ کونسی سے چیز ہے جو بہت زیادہ اللہ کے قریب کردے؟ آپ روپڑے اور پھر فرمایا کہ ’’آج وہ زمانہ آگیا ہے کہ یہ سوال میرے جیسے لوگوں سے پوچھا جارہا ہے۔‘‘ یہ ان لوگوں کا حال ہے جو بہت جلیل القدر اولیاء میں سے تھے۔ جنہوں نے اولین زمانہ پایا کہ اس حد تک تواضع وانکساری کے پیکر تھے۔ پھر فرمانے لگے:

أقرب ما يتقرب به إليه أن يطلع من قلبك على أنك لا تريد من الدنيا والآخرة إلاهو۔ (أبوسعد النيشاپوری، تهذيب الأسرار/۷۶)(الرفاعی، حالة أهل الحقيقة مع الله /۱۸۸، الرقم/۳۴)

وہ حال سب سے زیادہ اللہ کا قرب عطا کرتا ہے کہ اللہ خود آپ کے دل کو دیکھے تو وہ اس میں دنیا اور آخرت کی کوئی شے بھی نہ پائے۔ اُس کی طلب، خواہش، لذت حتیٰ کہ دنیا اور آخرت کی کوئی بھی چیز سوائے اللہ کے اس کے دل میں موجود نہ ہو۔ گویا وہ دل اللہ کے لیے یکسو ہو اور اللہ کی محبت اور چاہت کے لیے ہر ایک سے خالی ہو چکا ہو۔ پس دل کی اِس طرح کی طہارت اور صفائی ہو جائے اور اُسے اللہ کے لیے خلوت مل جائے کہ ہر چیز کو دل سے رخصت کردے۔

ے ہر تمنا دل سے رخصت ہو گئی
اب تو آجا اب تو خلوت ہو گئی

جب دل میں ایسی خلوت ہو جائے تو اللہ تعالیٰ اپنا قرب عطا کرتا ہے۔

(۳) علم پر عمل، اخلاص اور صحبتِ صالحہ

سیدنا امام جعفر الصادق سے پوچھا گیا کہ اللہ کے قرب کی علامات کیا ہیں؟ آپ نے فرمایا کہ تین علامات ہیں کہ جس سے بندہ اندازہ لگا سکتا ہے کہ میں قربِ الٰہی حاصل کر رہا ہوں:

(۱) اللہ تعالیٰ اسے دین کا علم و فہم عطا کرے تو وہ اُس علم پر عمل بھی کرے۔ اگر علم ہو اور عمل کی توفیق نہ ہو تو سمجھیں کہ دوری ہے اور صرف قصے کہانیاں ہیں۔ اگر علم؛ عمل بن جائے تو سمجھیں قرب کا راستہ کھل گیا۔

(۲) جب زندگی میں عمل شروع ہو جائے تو پھر بندہ دیکھے کہ اِس عمل میں اخلاص کتنا ہے؟ اگر نیت میں اخلاص نہیں بلکہ دنیا، نفس اور خیالات کی آمیزش ہے تو پھر بندہ اللہ سے دور ہے، اس کے قریب نہیں۔

(۳)جب عمل میں اخلاص مل جائے تو پھر اُس کو قائم رکھنے کے لیے ہمیشہ صالحین کی صحبت رکھیں۔ بندہ نام ونمود، وضع قطع اور لباس سے صالح نہیں ہوتا بلکہ اپنے عمل، حال، طہارت، تقویٰ، پرہیز گاری، اخلاق اور ظاہر و باطن کی اچھائیوں سے صالح ہوتا ہے۔ اگر صالحین کے ساتھ قائم رہو تو دل میں اُن کا احترام رہے۔ صالحین کا احترام کرنا بندے کو اللہ کے قریب کرتا ہے۔

(۴)خوف، امید اور شوقِ ملاقات

حضرت رابعہ بصری رحمۃ اللہ علیہا سے پوچھا گیا کہ آپ نے اللہ کا قرب کیسے پایا؟ فرمایا: دس سال تک میں اللہ کے خوف اور اُس کی ناراضگی کے ڈر سے روئی۔۔۔ جب خوف کا رونا ختم کیا تو اگلے دس سال اُس کی رحمت کی امید پر روئی کہ وہ بخش دے گا اور معاف فرمادے گا۔۔۔ پھر اگلے دس سال اُس سے ملاقات کے شوق میں روئی۔ کہ اس سے کب کیسے اور کس حال میں ملاقات ہو گی؟ گویا دس سال اس کے ساتھ خوف کا تعلق قائم رکھا۔ دس سال اس کے ساتھ امید کا تعلق قائم رکھا اور دس سال اس کے ساتھ شوقِ ملاقات کا تعلق قائم رکھا۔ جب تیس سال اِس طرح ختم کیے تو اُس نے مجھے اپنا قرب عطا کر دیا۔ (الرفاعی، حالۃ أھل الحقیقۃ مع اللہ/۱۸۸، الرقم/۳۴)

(۵)خواہشاتِ نفسانی کا ترک کرنا

حضرت مالک بن دینارؒ اپنے نفس کو خطاب کرتے ہوئے فرماتے کہ اے میرے نفس! کیا تو چاہتا ہے کہ اللہ کا پڑوسی بن جائے، اس کے قریب ہو جائے، وہ تجھے اپنی قربت سے نوازے اور اپنا دیدار عطا کر دے؟ پھر کہتے کہ اگر اللہ کا قرب اور دیدار چاہتے ہو تو مجھے بتاؤ کہ اُس اللہ کے قرب کی خاطر تم نے کون سی شہوت اور خواہش ترک کر دی ہے۔۔۔؟ تم نے اللہ سے کتنی دوریاں قائم کر رکھی ہیں، وہ کون سی ایک دوری ہے جس کو تم نے قربت میں بدل دیا ہے۔۔۔؟ اللہ کی خاطر کتنوں سے محبت کی اور اللہ کی خاطر کتنوں سے دشمنی و بغض رکھا۔۔۔؟ وہ کون سا غصہ ہے جو تم اللہ کے لیے ضبط کر گئے ہو۔۔۔؟ کون سی معافی ہے جو تم نے کسی کو اللہ کے لیے دے دی ہے۔۔۔؟ یہ کہتے کہتے اُن پر غشی طاری ہو جاتی اور وہ بے ہوش ہو جاتے تھے۔

(الرفاعی، حالۃ أھل الحقیقۃ مع اللہ/۱۸۹، الرقم/۳۴)

(۶)احساسات میں تبدیلی

جب قرب ہو جاتا ہے تو بندے کے احساسات، تصورات، سوچ کا رخ اور زاویۂ عقل و نگاہ بدل جاتے ہیں۔ جب عشق کا تعلق اللہ سے قائم ہوتا ہے، قربِ الٰہی نصیب ہوتا ہے اور بندہ اُس کی لذت اور حلاوت میں سے کچھ جام پیتا ہے تو زاویہ نگاہ بدل جاتا ہے۔

ایک شخص امام حسن بصریؒ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ میری بیٹی ہر وقت اللہ کی یاد، اس کے خوف اور عشق میں روتی رہتی ہے اور اِتنی مدت ہو گئی ہے کہ روتے روتے اب اُس کی بینائی بھی ختم ہو رہی ہے۔ آپ اسے کچھ سمجھائیں اور دعا بھی فرمائیں تاکہ وہ اپنی آنکھوں کی بینائی بچا لے۔ حضرت امام حسن بصریؒ اُس کے ساتھ گئے اور اُس بیٹی سے کہا کہ بیٹی اپنے آپ پر کچھ رحم کرو، اِتنا کیوں روتی اور پریشان رہتی ہو؟ اُس نے جواب دیا: میں سوچتی ہوں کہ میری آنکھوں کی حالت دو حالتوں میں سے ایک ہو گی:

۱۔ ایک حالت یہ ہو سکتی ہے کہ میری آنکھیں اللہ کے دیدار کے قابل ہوں اور وہ اِنہیں اِس قابل ٹھہرائے کہ حجاب اُٹھا کر اپنا دیدار عطا فرما دے۔

۲۔ دوسری حالت یہ ہو سکتی ہے کہ وہ یہ فیصلہ کر دے کہ یہ آنکھیں اللہ کے دیدار کے قابل نہیں۔ لیکن اگر یہ حالت ہوئی کہ میری آنکھیں اُس کے دیدار کے قابل نہیں ہوں گی تو پھر ایسی آنکھوں کو نابینا ہی ہو جانا چاہیے۔ اگر یہ اُس کے دیدار کے قابل نہیں ٹھہرائی جائیں گی تو یہ بینا کیوں رہیں۔

اگر یہ حالت ہوئی کہ میری آنکھیں اس کے دیدار کے قابل ہوئیں اور اِنہیں دیدار کرایا جائے گا تو پھر روتی اِس لیے ہوں کہ یہ تو دو آنکھیں ہیں، اگر ہزار آنکھیں بھی ہوں تو سب اس نعمت پر قربان کر دوں یعنی پھر میں اِن کی خوش نصیبی پر روتی ہوں۔ گویا اگر دیدار نہیں کر سکتی تو بد نصیبی پر روتی ہوں اور اگر دیدار نصیب ہو گا تو پھر خوش نصیبی پر روتی ہوں۔

یہ سن کر امام حسن بصری فرمانے لگے: بیٹی! میں تو تمہارے درد کا مداوا کرنے آیا تھا مگر خود سراپا درد بن کر جا رہا ہوں۔ میں تمہارا طبیب اور معالج بن کر آیا تھا مگر اب خود مریض بن کر جا رہا ہوں۔ یہ فرما کر آپ وہاں سے رخصت ہو گئے۔

(الرفاعی، حالۃ أھل الحقیقۃ مع اللہ/۱۹۰، الرقم/۳۴)

یہ کیفیت تب ہی ہوتا ہے جب آدمی اپنی بشریت اور انانیت کے پنجر سے باہر نکلتا ہے۔ اے بندے! جب تک تو اپنے نفس اور نفسانیت سے ہجرت نہ کرے اور بشری اور نفسانی شہوات کا لبادہ ترک نہ کر دے تب تک تو قرب کی منازل سے ہم آہنگ نہیں ہو سکتا۔ جب تک ایسی بندگی قائم نہ ہو، اس وقت تک وہ تجھ پر قرب کا راستہ نہیں کھولتا۔ جن خوش نصیبوں پر قرب کا دروازہ کھلتا ہے اور اُن کے دل اللہ کے ساتھ حضوری پا لیتے ہیں تو پھر اُن کا ظاہر خلق کے ساتھ رہتا ہے مگر باطن ہمیشہ حق کے ساتھ رہتا ہے۔ وہ مخلوق کے ساتھ، بچوں، فیملی اور دوستوں کے ساتھ اُٹھتے بیٹھتے، کھاتے پیتے اور زندگی گزارتے ہیں، اُنہی میں سے ہوتے ہیں مگر ان کا قلب حق کے ساتھ جُڑا رہتا ہے اور وہ ہر وقت اللہ کے انعامات کا مشاہدہ کرتے رہتے ہیں۔

طریقِ قرب کے دو عنوانات: فصل اور وصل

قرب کے راستے کے دو عنوانات ہیں: ۱۔ فصل۔ ۲۔ وصل

فصل؛ جدائی کو کہتے ہیں اور وصل؛ ملاپ کو کہا جاتا ہے۔ فصل یہ ہے کہ دل ہر غیر سے جُدا ہو جائے۔ جس شے نے بھی اللہ کا قرب چھینا تھا، اللہ اور بندے کے درمیان پردے حائل کیے تھے، اُس سے فصل کرنا، یعنی اُس سے جدا ہونا ہوگا۔ جب بندہ اُس سے جدا ہوتا ہے تو وصل نصیب ہو جاتا ہے۔ بندہ اِدھر سے کٹتا ہے تو اُدھر جڑ جاتا ہے۔ یہ مقام وصال ہے۔

حضور سیدنا غوث الاعظم شیخ عبدالقادر جیلانی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اے بندے! جب تو مخلوق سے مر جاتا ہے یعنی مخلوق، دنیا اور جاہ و منصب سے اپنے دل کے رشتے کو توڑ دیتا ہے تو تمہیں کہا جاتا ہے کہ اللہ نے تم پر رحم فرما دیا۔ پھر جب تو اپنے ارادہ کو فنا کرتا ہے تو تمہیں کہا جاتا ہے کہ اللہ نے تم پر رحم کیا، تیرا ارادہ مر گیا اور تیرے اندر مولیٰ کا ارادہ قائم ہو گیا۔۔۔ پھر ایک مرحلہ آتا ہے کہ جب آدمی اپنا ارادہ بھی ختم کر دیتا ہے تو پھر اسے آواز آتی ہے کہ تجھے زندہ کر دیا گیا۔ جب آدمی کو یہ زندگی ملتی ہے تو بندہ اللہ کے ارادہ سے زندہ ہو جاتا ہے۔ (فتوح الغیب: ۱۰)

☆ حضرت بایزید بسطامیؒ کے ایک شاگرد کو خواب میں اللہ رب العزت کی زیارت ہوئی تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا: تم سارے لوگ مجھ سے کچھ نہ کچھ مانگتے ہو، سوائے ابو یزید بسطامی کے، وہ مجھ سے کچھ نہیں مانگتا سوائے میرے۔ وہ جب بھی مانگتا ہے تو مجھ سے مجھ ہی کو مانگتا ہے۔ یعنی اس نے دنیا سے دل کو اتنا کاٹ لیا ہے کہ میرے سوا کسی اور چیز کی طلب اور تڑپ ہی اس میں نہیں رہی۔

☆ اللہ رب العزت نے حضرت بایزید بسطامی سے عالمِ کشف میں فرمایا: اے بایزید بسطامی! مانگ کیا مانگتا ہے؟ حضرت بایزید بسطامی نے عرض کیا کہ اے اللہ! میں صرف یہ چاہتا ہوں کہ کچھ نہ چاہوں، سوائے اِس کے کہ جو تو چاہتا ہے۔ یعنی میرے سارے ارادے، تیرے ارادہ میں فنا ہو جائیں ۔۔۔ میری چاہتیں، تیری چاہت میں فنا ہو جائیں۔۔۔ میری خواہش، تیرے امر میں فنا ہو جائے۔۔۔ اور سارے دوریاں، تیری قربت میں فنا ہو جائیں۔

حرفِ آخر!

اگر دیکھنا ہو کون شخص مقرب ہے اور اِس کے دل کو اللہ کا کتنا قرب نصیب ہو گیا ہے تو یہ دیکھیں کہ کیا اس کی ظاہری زندگی، عمل اور اخلاق میں درج ذیل دس چیزیں موجود ہیں:

۱۔ ہر معاملے میں اُس کے دل میں اللہ کا حیا ہو۔

۲۔ زندگی میں ہمہ وقت اُس کا دھیان صرف اللہ کی رضا میں رہے اور وہ شکوہ نہ کرے۔

۳۔ مخلوق کے لیے اُس کے دل میں کامل سلامتی ہو۔ کسی کے لیے کوئی حقد، حسد، تنگی، غصہ، ناراضگی، مقابلہ، انتقام، نفرت، بغض، کینہ نہ ہو اس کا دل ہر ایک کے لیے وسیع ہو۔

۴۔ اس کی آنکھ کسی کی بُرائی نہ دیکھے بلکہ بلکہ اس کی نظر ہمیشہ دوسروں کی اچھائی پر رہے۔

۵۔ دنیا اور آخرت کے جمیع امور میں اللہ پر توکل رہے۔ ہر چیز میں محنت اور کوشش کرے مگر توکل نہ ٹوٹے اور کبھی مایوسی اور پریشانی کا شکار نہ ہو۔

۶۔ اللہ کی تمام مخلوق کا خیر خواہ ہو اور ہر ایک کی اچھائی اور ترقی دیکھ کر اس کا دل خوش ہو۔

۷۔ گنہگار کے لیے بھی اُس کے دل میں رحمت و شفقت ہو۔ ایسا تب ہی ہوتا ہے کہ دوسروں کی گنہگاری پر ہر وقت آنکھیں نہ جمائے رکھیں۔ گنہگاری پہ نگاہ جمائے گا تو بندہ کسی کے ساتھ بھی شفقت نہیں کر سکتا۔ اللہ بھی اگر ہماری گنہگاری اور خرابیوں پر اپنی نظر رکھتا تو مخلوق پر شفقت نہ کرتا۔ اللہ کی رحمت کے اِس تصور کو اپنانا چاہیے۔

۸۔ باہمی رشتوں کو بہتر بنائیں یعنی وہ شخص جسے اللہ کا قرب نصیب ہو جاتا ہے پھر وہ کبھی بگاڑ پیدا نہیں کرتا اور لوگوں کے درمیان دوریاں پیدا کرنے کا باعث نہیں بنتا بلکہ اُن کے درمیان رشتوں کو اُستوار کرتا ہے اور محبتیں قائم کرتا ہے۔

۹۔ پوری اُمت کی بہتری کے لیے اور کمزوروں، فقراء، مساکین، اپنے، پرائے ہر ایک کی اصلاح کی فکر کرتا ہے۔ اس کے دل میں پوری اُمت کا ایک درد ہوتا ہے۔

۱۰۔ ہر وقت اور ہر حال میں اللہ سے حسنِ ظن رکھتا ہے۔

مذکورہ علامتیں بندے کے ظاہر میں نظر آئیں یا بندہ خود اپنے اندر انھیں محسوس کرے تو وہ اندازہ کر لے کہ اللہ تعالیٰ نے اسے دوری کے عذاب اور سزا سے بچا لیا ہے اور قربت کی طرف اُس کا سفر شروع کروا دیا ہے۔

اللہ رب العزت کی بارگاہ میں دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں اِن تمام امور کو اپنانے کی توفیق دے تاکہ ہم اپنی زندگی میں قربِ الٰہی کی لذت پائیں۔۔۔ ہمارے دل اللہ کی قربت کے چشموں سے فیض پائیں۔۔۔ دوریاں ختم ہوں اور زندگی کے وہ حجابات جنہوں نے ہمیں اللہ رب العزت سے دور کر رکھا ہے، وہ حجابات دور ہو جائیں۔

(خطاب نمبر:-Fs-39)(تاریخ:28اپریل2022ء)(مقام: شہر اعتکاف لاہور)(ناقل: محمد ظفیر ہاشمی)

آپ کے فقہی مسائل

دارالافتاء تحریک منہاج القرآن، زیرنگرانی: مفتی عبدالقیوم خان ہزاروی

سوال: کیا روزے کے لئے نیت کرنا ضروری ہے؟

جواب: جی ہاں! روزے کی درستگی کے لئے نیت سب سے اوّل درجہ رکھتی ہے وگرنہ صبح صادق سے لے کر غروب آفتاب تک کھانے پینے اور مجامعت سے بچے رہنے سے تو ہر گز روزہ نہیں ہو گا۔ جمہور ائمہ کے نزدیک ہر روزے کی الگ نیت ضروری ہے البتہ امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کے نزدیک پورے رمضان المبارک میں پہلے روزے کی نیت ہی کافی ہے بشرطیکہ پورے ماہ میں روزوں کا تسلسل قائم رہے۔

نیت کے لئے زبان سے اظہار کرنا ضروری نہیں ہے۔ نیت دل کے ارادے کا نام ہے لیکن اگر نیت کے مسنون و مستحب الفاظ زبان سے دہرا لئے جائیں تو افضل ہے ورنہ اگر کوئی دل سے ارادہ کر کے سحری کے وقت روزہ رکھنے کے لئے اٹھا اور کچھ کھا پی کر روزہ رکھ لیا تو یہی اس کی نیت ہے۔

سوال: کیا روزہ توڑنے کی نیت کرنے سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے؟

جواب: اگر کسی روزہ دار نے روزہ رکھنے کے بعد روزہ چھوڑنے کی نیت کی تو اس کا روزہ نہیں ٹوٹے گا اس لئے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فرمان اقدس ہے:

”اللہ تعالیٰ نے میری امت کے لئے دل میں پیدا ہونے والی باتیں معاف کی ہیں۔ جب تک وہ زبان پہ نہ آجائیں یا ان پر عمل نہ کر لیا جائے۔“ (بخاری، الصحیح، کتاب العتق، باب الخطاء والنسیان فی العتاق والطلاق ونحوہ...، ۲: ۸۹۴، رقم: ۲۳۹۱)

سوال: سحری کا وقت کب ختم ہوتا ہے، کیا اس کے بعد کچھ کھانا جائز ہے؟

جواب: سحری کا وقت ختم ہونے کے بعد کچھ بھی کھانا پینا جائز نہیں کیونکہ سحری کا وقت رات کے آخری نصف سے شروع ہوتا ہے اور صبح صادق سے چند لمحے قبل تک باقی رہتا ہے۔ حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ ہم نے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ سحری کھائی پھر آپ نماز کے لئے اٹھے، (راوی کہتے ہیں) میں نے ان سے دریافت کیا: اذان اور سحری میں کتنا وقفہ تھا (یعنی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اذان سے کتنی دیر قبل سحری کی تھی)؟ انہوں نے فرمایا: پچاس آیات پڑھنے کے برابر۔

(بخاری، الصحیح، کتاب الصوم، باب قدر کم بین السحور وصلاۃ الفجر، ۲: ۶۷۸، رقم: ۱۸۲۱)

جمہور فقہاء کے نزدیک اگر صبح صادق ہونے میں شک ہو تو کھا پی سکتے ہیں، لیکن جب صبح صادق کا یقین ہو جائے تو رک جانا ضروری ہے۔ کوئی شخص سحری میں اتنی تاخیر کر بیٹھے کہ اذان شروع ہو جائے تو اس کے بارے میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

إِذَا سَمِعَ أَحَدُكُمُ النِّدَاءَ، وَالْإِنَاءُ عَلَى يَدِهِ فَلَا يَضَعْهُ حَتَّى يَقْضِيَ حَاجَتَهُ مِنْهُ. (ابو داود، السنن، کتاب الصوم، باب فی الرجل یسمع النداء، ۲: ۲۹۲، رقم: ۲۳۵۰)

"جب تم میں سے کوئی اذان سنے اور برتن اس کے ہاتھ میں ہو تو اپنی ضروریات پوری کیے بغیر اسے نہ رکھے۔"

سوال: سحری میں تاخیر اور افطاری میں جلدی کرنے میں کیا حکمت ہے؟

جواب: سحری میں تاخیر اور افطار میں جلدی کرنا سنت مؤکدہ ہے۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا عمر بھر یہ معمول رہا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سحری میں تاخیر اور افطاری جلدی فرماتے۔ سحری میں تاخیر اور افطاری جلدی کرنے میں کئی حکمتیں پوشیدہ ہیں۔ روحانی فیوض و برکات سے قطع نظر سحری دن میں روزے کی تقویت کا باعث بنتی ہے اور انسان بھوک پیاس کی شدت سے محفوظ رہتا ہے۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اُمت کو تلقین فرمائی ہے کہ سحری ضرور کیا کرو خواہ پانی کا ایک گھونٹ، کھجور کا ایک ٹکڑا یا منقی کے چند دانے ہی کیوں نہ ہو۔

اسی طرح افطاری جلد کرنے کی حکمت یہ ہے کہ اس طرزِ افطاری سے یہود و نصاریٰ کی مخالفت مقصود ہے کیونکہ یہود و نصاریٰ روزہ تاخیر سے افطار کرتے ہیں۔ ستاروں کے ظاہر ہونے تک انتظار کرتے ہیں جس سے نجوم پرستی کا شائبہ پیدا ہوتا ہے۔ جب تک امتِ مسلمہ افطار میں جلدی اور سحری

میں تاخیر کرتی رہے گی اس وقت تک سنت کی پابندی اور حدودِ شرع کی نگرانی کی وجہ سے خیریت اور بھلائی پر قائم رہے گی۔

سوال: کھجور سے روزہ افطار کرنے میں کیا حکمت ہے؟

جواب: کھجور سے روزہ افطار کرنے میں یہ حکمت پوشیدہ ہے کہ کھجور غذائیت سے بھرپور پھل ہے۔ اس سے جسمانی توانائی حاصل ہوتی ہے۔ روزے سے جسمانی توانائی میں کمی ہو جاتی ہے اور اس وقت ایسی غذا کی ضرورت ہوتی ہے جس کے کھانے سے جسم کی توانائی بحال ہو جائے۔ اس صورت میں کھجور توانائی اور شکر کی کمی کو پورا کرنے کا بہترین ذریعہ ہے۔ کھجور کا تذکرہ اللہ تعالیٰ نے قرآن حکیم میں متعدد مقامات پر مختلف حوالوں سے فرمایا ہے۔ اسی طرح احادیث میں بھی کھجور کی افادیت، غذائی اہمیت اور طبّی فوائد بیان کئے گئے ہیں۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ (مغرب) کی نماز سے پہلے چند تر کھجوروں سے روزہ افطار فرماتے تھے۔ اگر تر کھجوریں بروقت میسر نہ ہوتیں تو خشک کھجوروں (چھوہاروں) سے افطار فرماتے تھے اور اگر خشک کھجوریں بھی نہ ہوتیں تو چند گھونٹ پانی پی لیتے تھے۔ (ترمذی، السنن، ابواب الصوم، باب ماجاء مایستحب علیہ الإفطار، ۲: ۷۳، رقم: ۶۹۶)

آپ ﷺ کے اس عمل کو اگر سائنسی نقطہ نگاہ سے دیکھا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ جب ہم کھجور سے افطاری کرتے ہیں تو اس کی مٹھاس منہ کی لعاب دار جھلی میں فوری جذب ہو کر گلوکوز میں تبدیل ہو جاتی ہے جس سے جسم میں حرارت اور توانائی بحال ہو جاتی ہے۔ اس کے برعکس اگر تلی ہوئی یا مرغن چٹخارے دار چیزیں استعمال کی جائیں تو اس سے معدے میں حدت اور کثرتِ تیزابیت کے باعث سینے کی جلن اور بار بار پیاس لگتی ہے۔ جس سے Digestive Enzymes تحلیل ہو جاتے ہیں جو معدے کی دیواروں کو کمزور کرتے ہیں اور تبخیر کا سبب بنتے ہیں جبکہ کھجور سے افطاری کرنے کی صورت میں نہ تو معدے پر بوجھ پڑتا ہے اور نہ ہی معدے میں Hydrochlooricacid کی زیادتی ہو کر تبخیر کی صورت پیدا ہوتی ہے۔ علاوہ ازیں کھجور میں بے شمار طبّی فوائد ہیں مثلاً بلغم اور سردی کے اثر سے پیدا ہونے والی بیماریوں سے بچاتی ہے۔ ضعفِ دماغ رفع کرتی اور نسیان کو دور کرتی ہے۔ قلب کو تقویت و فرحت بخشتی اور بدن میں خون کی کمی یعنی anemia کو دور کرتی ہے۔ گردوں کو قوت دیتی، امراض تنفس میں بالعموم اور دمہ میں مفید و مؤثر ہے۔ عربوں میں ایک پرانی کہاوت ہے کہ سال میں جتنے دن ہوتے ہیں اتنے ہی کھجور کے استعمال اور فوائد ہیں۔

سوال: حالتِ روزہ میں کلی کرنے اور ناک میں پانی ڈالنے کا کیا حکم ہے؟

جواب: روزہ دار حالتِ روزہ میں کلی بھی کر سکتا ہے اور ناک میں پانی بھی ڈال سکتا ہے لیکن پانی ڈالنے اور کلی کرنے میں مبالغہ کرنا مکروہ ہے جبکہ عام حالات میں اس میں مبالغہ کرنے کا حکم ہے جیسا کہ حدیث پاک میں ہے:

اَسْبِغِ الْوُضُوْءَ وَخَلِّلْ بَيْنَ الْاَصَابِعِ وَبَالِغْ فِي الْإِسْتِنْشَاقِ إِلَّا أَنْ تَكُوْنَ صَائِمًا. (ترمذی، السنن، ابواب الصوم، باب ماجاء فی کراھیۃ مبالغۃ الإستنشاق للصّائم، ۳: ۱۵۵، رقم: ۷۸۸)

''کامل وضو کرو، انگلیوں کا خلال کرو اور اگر روزہ نہ ہو تو ناک میں پانی ڈالنے میں مبالغہ کرو۔''

کلی میں مبالغہ کرنے کا مطلب یہ ہے کہ منہ بھر کر پانی لے کر بار بار غرغرہ کرے جس سے حلق میں پانی جانے کا اندیشہ ہو اور ناک میں پانی ڈالنے میں مبالغہ یہ ہے کہ جہاں تک ناک کی نرم ہڈی ہو وہاں تک پانی کا بار بار ڈالنا کہ پانی ناک کی جڑ تک پہنچ جائے۔

یاد رہے کہ اگر کلی کرتے وقت بلا قصد پانی حلق میں چلا گیا یا ناک میں خوب اچھی طرح سانس کھینچ کر پانی ڈالا تو اس سے روزہ ٹوٹ جائے گا جس کی بعد ازاں قضا واجب ہے لیکن اگر روزہ دار کو اپنا روزہ دار ہونا بھول گیا تو اس صورت میں روزہ نہیں ٹوٹے گا۔

سوال: بھول کر کھانا کھانے سے روزہ کیوں نہیں ٹوٹتا؟

جواب: بھول کر کھانے سے روزہ اس لئے نہیں ٹوٹتا کہ اس میں روزہ دار کا ارادہ شامل نہیں ہوتا۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

مَنْ نَسِيَ وَهُوَ صَائِمٌ، فَأَكَلَ أَوْ شَرِبَ، فَلْيُتِمَّ صَوْمَهُ، فَإِنَّمَا أَطْعَمَهُ اللهُ وَسَقَاهُ. (مسلم، الصحیح، کتاب الصیام، باب أکل الناسي وشربہ وجماعہ لایفطر، ۲: ۸۰۹، رقم: ۱۱۵۵)

''روزہ کی حالت میں جو شخص بھول کر کچھ کھا پی لے تو وہ اپنا روزہ پورا کرے کیونکہ اسے اللہ تعالیٰ نے کھلایا اور پلایا ہے۔''

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ایک اور حدیث میں ہے کہ ایک آدمی حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہو کر عرض گزار ہوا: یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! میں حالتِ روزہ میں بھول کر کھا پی بیٹھا ہوں (اب کیا کروں؟) آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''تمہیں اللہ تعالیٰ نے کھلایا پلایا ہے۔'' (ابوداؤد، السنن، کتاب الصیام، باب من أکل ناسیاً، ۲: ۳۰۷، رقم: ۲۳۹۸)

جمہور ائمہ کا اس بات پر اتفاق ہے کہ اگر کوئی شخص روزے کی حالت میں بھول کر کھا پی لے تو اس پر نہ قضا واجب ہے اور نہ کفارہ بلکہ وہ اپنا روزہ پورا کرے۔ وہ اس کھائے پیے کو اللہ کی طرف سے

مہمانی شمار کرے کہ اس نے اپنے بندے کو بھلا کر کھلا پلا دیا لیکن اگر کھاتے پیتے وقت روزہ یاد آیا تو جو کھا پی چکا وہ معاف، ہاں اب کھانے کا یا پانی کا ایک قطرہ بھی حلق میں نہ جانے دے بلکہ اب جو کچھ منہ میں ہے اسے فوراً باہر نکال دے۔

سوال: اگر دھواں، غبار، عطر کی خوشبو یا دھونی حلق یا دماغ میں چلی جائے تو کیا اس سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے؟

جواب: روزہ دار کے حلق میں غبار، عطر کی خوشبو، دھونی یا دھواں چلے جانے سے روزہ نہیں ٹوٹتا لیکن اگر کسی روزہ دار نے غبار یا دھویں کو قصداً اپنے حلق میں داخل کیا تو اس کا روزہ ٹوٹ جائے گا۔

سوال: کیا قے سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے؟

جواب: قے آنے سے روزہ نہیں ٹوٹتا خواہ کم ہو یا زیادہ لیکن اگر خود اپنے فعل اور کوشش سے قصداً قے کی جائے اور منہ بھر کر ہو تو روزہ ٹوٹ جاتا ہے اور اگر کم ہو تو نہیں ٹوٹے گا۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

مَنْ ذَرَعَهُ الْقَيْءُ فَلَيْسَ عَلَيْهِ قَضَاءٌ، وَمَنِ اسْتَقَاءَ عَمْدًا فَلْيَقْضِ. (ترمذی، السنن، ابواب الصوم، باب ماجاء فیمن استقاء عمداً، ۲: ۹۰، رقم: ۷۲۰)

”جس شخص کو (حالتِ روزہ میں) از خود قے آجائے تو اس پر قضاء نہیں اور (اگر) جان بوجھ کر قے کی تو وہ (اس روزہ کی) قضاء کرے۔“

سوال: کیا دانتوں سے خون نکلنے کی صورت میں روزہ ٹوٹ جاتا ہے؟

جواب: دانتوں سے خون نکل کر حلق میں داخل ہو جائے یا خود اسے نگل لیا جائے ایسی صورت میں خون اگر تھوک پر غالب ہے تو روزہ ٹوٹ جائے گا، اس صورت میں صرف قضا واجب ہو گی کفارہ نہیں اور اگر تھوک خون پر غالب ہو تو روزہ نہیں ٹوٹے گا۔

سوال: کیا کسی مریض کو حالتِ روزہ میں خون دینا جائز ہے؟

جواب: جسے خون دیا جاتا ہے اسے تو لازمی طور پر روزہ افطار کرنا ہے البتہ خون دینے والا اپنی صحت کا خیال کرے۔ خون دینے سے روزہ تو نہیں ٹوٹتا البتہ کمزوری لاحق ہو جاتی ہے۔ اس لئے خون دینے والے کو اپنی صحت کے مطابق ایسا قدم اٹھانا چاہئے جس سے اس کا روزہ بھی برقرار رہے اور شدید نقاہت بھی نہ ہو۔ ہاں اگر ایمرجنسی ہے تو ظاہراً بات ہے کہ کسی انسان کی جان بچانا فرض ہے لہٰذا بایں صورت ضعف برداشت کرے۔

رمضان المبارک

فضیلت، مقاصد، حفاظتِ روزہ
تحائفِ خداوندی، تلاوتِ قرآن

مفتی شبیر احمد

قرآن حکیم میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا كُتِبَ عَلَیْكُمُ الصِّیَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ۔ (البقرہ، ۲: ۱۸۳)

''اے ایمان والو! تم پر اسی طرح روزے فرض کیے گئے ہیں جیسے تم سے پہلے لوگوں پر فرض کیے گئے تھے تاکہ تم پرہیز گار بن جاؤ۔''

مذکور آیت مبارکہ سے معلوم ہوا کہ روزہ پہلی امتوں پر بھی فرض تھا۔ کتبِ حدیث و تاریخ اور تورات و انجیل کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ قریشِ مکہ ایامِ جاہلیت میں دسویں محرم کو اس لئے روزہ رکھتے تھے کہ اس دن خانہ کعبہ پر نیا غلاف ڈالا جاتا تھا۔

(بخاری، الصحیح، کتاب الحج، باب قول اللہ : جعل اللہ الکعبۃ البیت الحرام، ۲: ۵۷۸، رقم: ۱۵۱۵)

مدینہ میں یہود اس دن اس لئے روزہ رکھتے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے قوم بنی اسرائیل کو اس دن فرعون سے نجات دی تھی۔

(بخاری، الصحیح، کتاب الصوم، باب صیام یوم عاشورہ، ۲: ۷۰۴، رقم: ۱۹۰۰)

ان شواہد سے پتہ چلتا ہے کہ شریعت محمدی ﷺ سے قبل اُمم میں بھی بحیثیت عبادت کے روزہ معروف اور جانا پہچانا جاتا تھا۔ انسائیکلوپیڈیا آف جیوز میں لکھا ہوا ہے:

یہودی اور عیسائی روزہ بطور کفارۂ گناہ یا توبہ کی خاطر یا پھر ان سے بھی تنگ تر مقاصد کے لئے رکھتے تھے اور ان کا روزہ محض رسمی نوعیت کا ہوتا تھا، یا پھر قدیم ترایام میں روزہ ماتم کے نشان کے طور پر رکھا جاتا تھا۔

یعنی ان لوگوں نے روزے کی اصل مقصدیت سے صرف نظر کرتے ہوئے اسے اپنے مخصوص مفادات کے ساتھ وابستہ کر لیا تھا مگر اسلام نے انسانیت کو روزے کے بامقصد اور تربیتی نظام سے آشنا کیا۔ یہ اسلام ہی ہے جس نے مسلمانوں کو روزے کے بلند اغراض و مقاصد عطا کئے۔ زندگی کی وہ تمام تمنائیں اور خواہشات جو عام طور پر جائز ہیں، روزہ میں ان پر بھی کچھ عرصہ کے لئے پابندی عائد کر دی جاتی ہے۔ رسول اکرم ﷺ کا ہر اطاعت گزار اُمتی ان پابندیوں کو دلی رغبت و مسرت کے ساتھ اپنے اوپر عائد کر لیتا ہے، یہ جانتے ہوئے کہ یہ جسم و روح دونوں کے لئے مفید ہے۔

علاوہ ازیں مختلف مذاہب میں روزہ رکھنے کے مکلف بھی مختلف طبقات ہیں۔ مثلاً پارسیوں کے ہاں صرف مذہبی پیشوا، ہندوؤں میں برہمن اور یونانیوں کے ہاں صرف عورتیں روزے رکھنے کی مکلف ہیں، جبکہ ان کے اوقاتِ روزہ میں بھی اختلاف اور افراط و تفریط پائی جاتی ہے لیکن اسلام کے پلیٹ فارم پر دنیا کے ہر خطے میں رہنے والے عاقل، بالغ اور مسلمان مرد و عورت کے لئے ایک ہی وقت میں ماہ رمضان کے روزے فرض کیے گئے ہیں۔

روزہ اور روزہ دار کی فضیلت

حضور نبی اکرم ﷺ رمضان المبارک سے اتنی زیادہ محبت فرماتے کہ اکثر اس کے پانے کی دُعا فرماتے تھے اور رمضان المبارک کا اہتمام ماہ شعبان میں ہی روزوں کی کثرت کے ساتھ ہو جاتا تھا۔ آپ ﷺ بڑے شوق و محبت سے خوش آمدید کہتے ہوئے ماہ رمضان کا استقبال فرماتے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے سوالیہ انداز میں تین بار دریافت کرتے:

مَاذَا يَسْتَقْبِلُكُمْ وَتَسْتَقْبِلُوْنَ؟

”کون تمہارا استقبال کر رہا ہے اور تم کس کا استقبال کر رہے ہو؟“

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: یا رسول اللہ! کیا کوئی وحی اترنے والی ہے؟ فرمایا: نہیں۔ عرض کیا: کسی دشمن سے جنگ ہونے والی ہے؟ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: نہیں۔ عرض کیا: پھر کیا بات ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا:

اِنَّ اللهَ يَغْفِرُ فِي أَوَّلِ لَيْلَةٍ مِنْ شَهْرِ رَمَضَانَ لِكُلِّ أَهْلِ الْقِبْلَةِ۔

(منذری، الترغیب والترھیب، ۲: ۶۴، رقم: ۱۵۰۲)

”بے شک اللہ تعالیٰ ماہِ رمضان کی پہلی رات ہی تمام اہلِ قبلہ کو بخش دیتا ہے۔“

روزے کی فضیلت و اہمیت دیگر عبادات کے مقابلے میں کئی گنا زیادہ اور بے حساب ہے۔ چند احادیث ملاحظہ ہوں:

۱۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

كُلُّ عَمَلِ ابْنِ آدَمَ يُضَاعَفُ الْحَسَنَةُ بِعَشْرِ أَمْثَالِهَا إِلَى سَبْعِمِائَةِ ضِعْفٍ مَا شَاءَ اللهُ، يَقُوْلُ اللهُ : إِلَّا الصَّوْمَ فَإِنَّهُ لِي وَ أَنَا أَجْزِي بِهِ.

(ابن ماجه، السنن، کتاب الصیام، باب ماجاء فی فضل الصیام، ۲: ۳۰۵، رقم: ۱۶۳۸)

”بنی آدم کو ہر نیکی کا اجر دس گنا سے سات سو گنا تک عطا کیا جاتا ہے، جتنا اللہ چاہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: سوائے روزہ کے، کیونکہ وہ میرے لئے ہے اور میں ہی اس کی جزا دوں گا۔“

۲۔ روزہ دار کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے بے انتہا اجر و ثواب کے ساتھ ساتھ کئی خوشیاں بھی ملیں گی۔ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

لِلصَّائِمِ فَرْحَتَانِ يَفْرَحُهُمَا : إِذَا أَفْطَرَ فَرِحَ، وَإِذَا لَقِيَ رَبَّهُ فَرِحَ بِصَوْمِهِ.

”روزہ دار کے لئے دو خوشیاں ہیں جن سے اسے فرحت ہوتی ہے: افطار کرے تو خوش ہوتا ہے اور جب اپنے رب سے ملے گا تو روزہ کے باعث خوش ہو گا۔“ (بخاری، الصحیح، کتاب الصوم، باب ھل یقول إني صائم إذا شتم، ۲: ۶۷۳، رقم: ۱۸۰۵)

۳۔ جنت میں بعض مخصوص اعمالِ صالحہ کے اعتبار سے آٹھ دروازے ہیں جو شخص دنیا میں خلوص نیت سے ان میں جس عملِ صالح کا بھی خوگر ہو گا وہ جنت میں اسی عمل کے دروازے سے جائے گا۔ ریان جنت کا وہ دروازہ ہے جس میں سے صرف روزہ دار ہی داخل ہوں گے۔ حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

إِنَّ فِي الْجَنَّةِ بَابًا يُقَالُ لَهُ الرَّيَّانُ، يَدْخُلُ مِنْهُ الصَّائِمُوْنَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ، لَا يَدْخُلُ مِنْهُ أَحَدٌ غَيْرُهُمْ۔

(بخاری، الصحیح، کتاب الصوم، باب الریان للصائمین، ۲: ۶۷۱، رقم: ۱۷۹۷)

”جنت میں ایک دروازہ ہے جسے ریان کہا جاتا ہے۔ روزِ قیامت اس میں روزہ دار داخل ہوں گے، ان کے سوا اس دروازے سے کوئی اور داخل نہیں ہو گا“۔

ریان کی وجہ تسمیہ کے بارے میں محدّث ملا علی قاری فرماتے ہیں: یا تو وہ بنفسہ ریان ہے کیونکہ اس کی طرف کثیر نہریں جاری ہیں اور اس کے قریب تازہ اور سرسبز و شاداب پھل پھول بکثرت ہیں یا قیامت کے دن اس کے ذریعے سے لوگوں کی پیاس مٹے گی اور تروتازگی و نظافت چہرے پر ہمیشہ رہے گی۔

(ملا علی قاری، مرقاۃ المفاتیح فی مشکاۃ المصابیح، ۴: ۲۳۰)

اس انعام کا حقدار صرف رمضان کے روزے رکھنے والا ہی نہیں بلکہ کثرت سے نفلی روزے رکھنے والا بھی ہو گا۔

روزے کے مقاصد

روزہ سے ہمیں اطاعت الٰہی، تزکیۂ نفس، اخوت اور ہمدردی کا سبق ملتا ہے۔ مثلاً روزہ دار اللہ تعالیٰ کے حکم سے حالتِ روزہ میں ایک خاص وقت پر کھانے پینے اور جائز خواہشات سے رک جاتا ہے۔ اپنی ایسی بنیادی ضروریات کو اطاعت الٰہی کی خاطر اپنے اوپر حرام کر لیتا ہے جن کو پورا کرنا دوسرے اوقات میں نہ صرف جائز بلکہ فرض ہوتا ہے۔ روزہ ہمارے اندر یہ بات راسخ کر دیتا ہے کہ اصل چیز اطاعتِ الٰہی ہے اور صرف حکم الٰہی ہی کسی چیز کے درست اور غلط ہونے کے لئے آخری سند ہے۔

اسی طرح غریبوں کی تکلیفوں، ان کے فقر و فاقہ اور تنگ دستی کا احساس بھی حالتِ روزہ میں ہوتا ہے۔ جب روزہ دار خود سارا دن بھوکا پیاسا رہتا ہے تو اس کے اندر ایسے لوگوں کے بارے میں ہمدردی کے جذبات پیدا ہوتے ہیں جو مستقل فقر و فاقہ سے دوچار رہتے ہیں چنانچہ روزہ دار اپنی بساط کے مطابق ان کے دکھوں کا مداوا اور ان کی تکلیفوں کو دور کرنے میں تعاون کرتا ہے۔ اس لئے مومنوں کا وصف یہ بیان کیا گیا ہے کہ سب مسلمان نفس واحد کی طرح ہیں اگر اس کی آنکھ میں درت ہوتا ہے تو اس کا سارا جسم درد محسوس کرتا ہے۔

روزہ بدنی عبادت ہے اور تزکیۂ نفس کا بہترین ذریعہ ہے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

لِكُلِّ شَيْءٍ زَكَاةٌ وَزَكَاةُ الْجَسَدِ الصَّوْمُ.

(ابن ماجہ، کتاب الصیام، باب فی الصوم زکاۃ الجسد، ۲: ۳۶۱، رقم: ۱۷۴۵)

”ہر چیز کی زکوٰۃ ہے اور جسم کی زکوٰۃ روزہ ہے۔“

روزہ ایک مخفی اور خاموش عبادت ہے جو نمود و نمائش سے پاک ہے روزہ دار کے بارے میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

مَنْ صَامَ يَوْمًا فِي سَبِيلِ اللهِ بَعَّدَ اللهُ وَجْهَهُ عَنِ النَّارِ سَبْعِيْنَ خَرِيْفًا۔

(بخاری، الصحیح، کتاب الجهاد والسیر، باب فضل الصوم فی سبیل اللہ، ۳: ۱۰۴۴، رقم: ۲۶۸۵)

”جس نے اللہ تعالیٰ کے راستے میں ایک دن روزہ رکھا تو اللہ تعالیٰ اس کے چہرے کو جہنم سے ستر سال (کی مسافت سے) دور کر دیتا ہے۔“

روزہ کی حفاظت کیسے ممکن ہے؟

اگر روزہ کو تمام احکام و آداب کی مکمل رعایت کے ساتھ پورا کیا جائے تو بلاشبہ گناہوں سے محفوظ رہنا آسان ہو جاتا ہے۔ البتہ اگر کسی نے روزہ کے لوازم کا خیال نہ کیا اور گناہوں میں مشغول رہتے ہوئے روزہ کی نیت کی، کھانے پینے، خواہش نفسانی سے باز رہا لیکن حرام کمانے اور غیبت کرنے سے باز نہ یا تو اس سے فرض تو ادا ہو ہو جائے گا، مگر روزہ کے برکات و ثمرات سے محرومی رہے گی۔

حضرت ابو عبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

اَلصَّوْمُ جُنَّةٌ مَالَمْ يَخْرِقْهَا.

(نسائی، السنن، ۱: ۱۶۷، رقم: ۲۲۳۳)

”روزہ ڈھال ہے جب تک اس کو پھاڑ نہ ڈالے۔“

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

مَنْ لَّمْ يَدَعْ قَوْلَ الزُّوْرِ وَالْعَمَلَ بِهِ، فَلَيْسَ لِلّٰهِ حَاجَةٌ فِي اَنْ يَدَعَ طَعَامَهُ. وَشَرَابَهُ..

(بخاری، الصحیح، کتاب الصوم، باب من لم یدع قول الزور والعمل بہ فی الصوم، ۲: ۶۷۳، الرقم: ۱۸۰۴)

”جو شخص روزہ رکھ کر جھوٹی بات اور غلط کام نہ چھوڑے تو اللہ کو کچھ حاجت نہیں کہ وہ (گناہوں کو چھوڑے بغیر) محض کھانا پینا چھوڑ دے۔“

معلوم ہوا کھانا پینا اور جنسی تعلقات چھوڑنے ہی سے روزہ کامل نہیں ہوتا بلکہ روزہ کی حالت میں فواحش، منکرات اور ہر طرح کے گناہوں سے بچنا بھی ضروری ہے لہٰذا مندرجہ بالا احادیث سے ثابت ہوا کہ

۱۔ روزہ دار جھوٹ، غیبت، چغلی اور بدکلامی سے پرہیز کرے۔

۲۔ آنکھ کو مذموم و مکروہ اور ہر اس چیز سے بچائے جو یادِ الٰہی سے غافل کرتی ہو۔

۳۔ کان کو ہر ناجائز آواز سننے سے بچائے۔ اگر کسی مجلس میں غیبت ہوتی ہو تو انہیں منع کرے ورنہ وہاں سے اُٹھ جائے۔ حدیث میں ہے کہ غیبت کرنے والا اور سننے والا دونوں گناہ میں شریک ہیں۔

۴۔ بوقت افطار اتنا نہ کھائے کہ پیٹ تن جائے۔

۵۔ افطار کے بعد دل خوف اور امید کے درمیان رہے۔ کیا معلوم کہ اس کا روزہ قبول ہوا یا نہیں لیکن اللہ کی رحمت سے مایوس نہ ہو۔

پس اعضاء کو گناہوں سے بچانا ہی درحقیقت روزہ کی حفاظت ہے۔

عام اور خاص لوگوں کے روزے میں فرق

جس طرح معاشرے میں معاشی حیثیت اور سماجی مقام کے اعتبار سے انسانی زندگی کے مختلف طبقات پائے جاتے ہیں۔ اسی طرح دینی و روحانی مدارج و مقامات میں روزہ رکھنے کے لحاظ سے لوگوں کی دو اقسام ہیں:

۱۔ عام لوگوں کا روزہ ۲۔ خاص لوگوں کا روزہ

(۱) عام لوگوں کا روزہ

پہلی قسم عام لوگوں کی ہے جو محض رسماً روزہ رکھتے ہیں اور ان کا روزہ سحری و افطاری تک محدود ہوتا ہے وہ روزے کے آداب و شرائط کا مطلقاً لحاظ نہیں رکھتے چنانچہ اکثر و بیشتر حسب ارشاد نبوی ﷺ سوائے بھوکے اور پیاسے رہنے کے ان کے ہاتھ کچھ نہیں آتا۔ وہ لوگ جو روزہ رکھ کر احکامِ خداوندی کی صریحاً خلاف ورزی کرتے ہیں۔ وہ جھوٹ، غیبت، دھوکہ، فریب دہی اور دیگر افعال قبیحہ کے ارتکاب کو اپنا معمول بنائے رکھتے ہیں۔ روزے کے فیوض و برکات سے محروم رہتے ہیں اور نتیجہ خیزی کے اعتبار سے ان کی صلوٰۃ و صیام بے روح ہے۔ ایسا روزہ افرادِ ملت پر مثبت اور نفع بخش اثرات مرتب نہیں کر سکتا۔

(۲) خاص لوگوں کا روزہ

دوسری قسم خاص لوگوں کی ہے جو احکامِ خداوندی کی پاسداری کرتے ہیں اور صغیرہ و کبیرہ گناہوں سے اپنے دامن بچائے رکھتے ہیں۔ روزہ سے ان کے سیرت و کردار میں تقویٰ کا جوہر پیدا ہو جاتا ہے اور ان کی زندگیاں لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ کے فرمودہ ایزدی کی عملی تفسیر بن جاتی ہیں۔ تقویٰ کی بدولت ان کے شب و روز انقلاب آشنا ہو جاتے ہیں اور وہ ہر معاملے میں حلال و حرام کی تمیز کو اپنا شعار بنا لیتے ہیں۔ ایسا روزہ حضور نبی اکرم ﷺ کے ارشاد کے مطابق ان کے اور عذابِ دوزخ کے درمیان ڈھال بن جاتا ہے۔

پس عام لوگوں کا روزہ صرف سحری و افطاری تک محدود ہوتا ہے جبکہ خاص لوگوں کا روزہ ان کے مجاہدہ کی بناء پر ان کو مقامِ مشاہدہ پر فائز کر دیتا ہے۔ کیونکہ ان کی طلب و آرزو کا محور اللہ کی رضا کا حصول اور دیدارِ مصطفی ﷺ کی نعمتوں سے بہرہ ور ہونے کے علاوہ کچھ نہیں ہوتا۔

رمضان المبارک میں ملنے والے تحائف

حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: میری امت کو ماہ رمضان میں پانچ تحفے ملے ہیں جو اس سے پہلے کسی نبی کو نہیں ملے:

۱۔ أَمَّا وَاحِدَةٌ فَإِنَّهُ إِذَا كَانَ أَوَّلُ لَيْلَةٍ مِنْ شَهْرِ رَمَضَانَ نَظَرَ اللهُ تَعَالٰی عزوجل إِلَيْهِمْ وَمَنْ نَظَرَ اللهُ إِلَيْهِ لَمْ يُعَذِّبْهُ أَبَدًا.

’’پہلا یہ کہ جب ماہِ رمضان کی پہلی رات ہوتی ہے تو اللہ تعالیٰ ان کی طرف نظرِ التفات فرماتا ہے اور جس پر اللہ کی نظر پڑ جائے اسے کبھی عذاب نہیں دے گا۔‘‘

۲۔ وَأَمَّا الثَّانِيَةُ فَإِنَّ خُلُوْفَ أَفْوَاهِهِمْ حِيْنَ يُمْسُوْنَ أَطْيَبُ عِنْدَ اللهِ مِنْ رِيْحِ الْمِسْكِ.

’’دوسرا یہ کہ شام کے وقت ان کے منہ کی بو اللہ تعالیٰ کو کستوری کی خوشبو سے بھی زیادہ اچھی لگتی ہے۔‘‘

۳۔ وَأَمَّا الثَّالِثَةُ فَإِنَّ الْمَلَائِكَةَ تَسْتَغْفِرُ لَهُمْ فِي كُلِّ يَوْمٍ وَلَيْلَةٍ.

’’تیسرا یہ کہ فرشتے ہر دن اور رات ان کے لئے بخشش کی دعا کرتے رہتے ہیں۔‘‘

۴۔ وَأَمَّا الرَّابِعَةُ فَإِنَّ اللهَ عزوجل يَأْمُرُ جَنَّتَهُ فَيَقُوْلُ لَهَا : اسْتَعِدِّي وَتَزَيَّنِي لِعِبَادِي أَوْشَكُوْا أَنْ يَسْتَرِيْحُوْا مِنْ تَعَبِ الدُّنْيَا إِلَى دَارِي وَكَرَامَتِي.

’’چوتھا یہ کہ اللہ عزوجل اپنی جنت کو حکم دیتے ہوئے کہتا ہے : میرے بندوں کے لئے تیاری کر لے اور مزین ہو جا، قریب ہے کہ وہ دنیا کی تھکاوٹ سے میرے گھر اور میرے دارِ رحمت میں پہنچ کر آرام حاصل کریں۔‘‘

۵۔ وَأَمَّا الْخَامِسَةُ فَإِنَّهُ إِذَا كَانَ آخِرُ لَيْلَةٍ غُفِرَ لَهُمْ جَمِيْعًا.

’’پانچواں یہ کہ جب (رمضان کی) آخری رات ہوتی ہے ان سب کو بخش دیا جاتا ہے۔‘‘

فَقَالَ رَجُلٌ مِنَ الْقَوْمِ : أَهِيَ لَيْلَةُ الْقَدْرِ؟ فَقَالَ : لَا، أَلَمْ تَرَ إِلَى الْعُمَّالِ يَعْمَلُوْنَ فَإِذَا فَرَغُوْا مِنْ أَعْمَالِهِمْ وُفُّوْا أُجُوْرَهُمْ؟

(بیهقي، شعب الإیمان، ۳: ۳۰۳، رقم: ۳۶۰۳)

’’ایک صحابی نے عرض کیا: کیا یہ شبِ قدر کو ہوتا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: نہیں۔ کیا تم جانتے نہیں ہو کہ جب مزدور کام سے فارغ ہو جاتے ہیں، تب انہیں مزدوری دی جاتی ہے۔‘‘

رمضان المبارک میں شیطان کے جکڑے جانے سے مراد

عام طور پر دو چیزیں گناہ اور اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کا باعث بنتی ہیں۔ ایک نفس کی بڑھتی ہوئی خواہش اور اس کی سرکشی، دوسرا شیطان کا مکر و فریب۔ شیطان انسان کا ازلی دشمن ہے۔ وہ نہ صرف خود بلکہ اپنے لاؤ لشکر اور چیلوں کی مدد سے دنیا میں ہر انسان کو دینِ حق سے

غافل کرنے کی کوشش میں لگا رہتا ہے مگر رمضان المبارک کی اتنی برکت و فضیلت ہے کہ شیطان کو اس ماہ مبارک میں جکڑ دیا جاتا ہے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

"جب ماہ رمضان کی پہلی رات ہوتی ہے تو شیطانوں اور سرکش جنوں کو بیڑیاں پہنا دی جاتی ہیں اور جہنم کے دروازے بند کر دیے جاتے ہیں اور ان میں سے کوئی دروازہ کھولا نہیں جاتا جبکہ جنت کے دروازے کھول دیے جاتے ہیں اور ان میں سے کوئی دروازہ بند نہیں کیا جاتا۔ ایک منادی پکارتا ہے: اے طالب خیر! آگے آ۔ اے شر کے متلاشی! رک جا۔ اللہ تعالیٰ کئی لوگوں کو جہنم سے آزاد کر دیتا ہے اور ماہ رمضان کی ہر رات یونہی ہوتا رہتا ہے۔" (ترمذی، السنن، ابواب الصوم، باب ماجاء فی فضل شھر رمضان، ۲: ۶۱، رقم: ۶۸۲)

رمضان المبارک میں شیطانوں کا جکڑ دیا جانا اس امر سے کنایہ ہے کہ شیطان لوگوں کو بہکانے سے باز رہتے ہیں اور اہلِ ایمان ان کے وسوسے قبول نہیں کرتے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ روزے کے باعث حیوانی قوت جو غضب اور شہوت کی جڑ ہے، مغلوب ہو جاتی ہے۔ غضب اور شہوت ہی بڑے بڑے گناہوں کا باعث ہوتے ہیں۔ اس کے برعکس قوتِ عقلیہ جو طاقت اور نیکیوں کا باعث ہے، روزے کی وجہ سے قوی ہوتی ہے، جیسا کہ مشاہدہ میں ہے کہ رمضان میں عام دنوں کی نسبت گناہ کم ہوتے ہیں اور عبادت زیادہ ہوتی ہے۔

شیطانوں کو جکڑے جانے کی ایک علامت یہ بھی ہے کہ گناہوں میں منہمک ہونے والے اکثر لوگ رمضان میں باز آجاتے ہیں اور توبہ کر کے اللہ کی طرف رجوع کرتے ہیں۔ پہلے وہ نماز قائم نہیں کرتے تھے، اب پڑھنے لگتے ہیں اس طرح وہ قرآن مجید کی تلاوت اور ذکر کی محافل میں شریک ہونے لگتے ہیں، حالانکہ وہ پہلے ایسا نہیں کیا کرتے تھے۔ پہلے جن گناہوں میں علی الاعلان مشغول رہتے تھے اب ان سے باز آجاتے ہیں اور بعض لوگ جن کا عمل اس کے خلاف نظر آتا ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ شیطانی وساوس ان کے شریر نفوس کی جڑوں میں سرایت کر چکے ہوتے ہیں کیونکہ آدمی کا نفس اس کا سب سے بڑا دشمن ہے۔

اگر کوئی یہ کہے کہ زمانے میں شر تو موجود ہے اور گناہ بھی مسلسل ہو رہے ہیں تو پھر شیطان کے جکڑنے کا کیا فائدہ؟ اس کا جواب یہ ہے کہ رمضان المبارک سے شیطان سرکشی اور طغیانی کی شوکت ٹوٹتی ہے اور اس کے ہتھیار کند ہو جاتے ہیں اور اس کی بھڑکائی ہوئی آگ کچھ مدت کے لئے ٹھنڈی پڑ جاتی ہے۔

ترکِ روزہ پر وعید

بغیر شرعی عذر کے روزہ نہ رکھنا یا رکھ کر توڑ دینا بہت بڑا گناہ ہے۔ اس کی قضا بہر صورت واجب ہے۔ قصداً بلاوجہ روزہ رکھ کر توڑنا اتنا بڑا گناہ ہے کہ بطورِ کفارہ ایک روزہ کے بدلے میں مسلسل دو ماہ یعنی 60 دن کے روزے رکھنا یا 60 مساکین کو کھانا کھلانا یا ایک غلام آزاد کرنا ضروری ہے، جیسا کہ حدیث نبوی میں مذکور ہے۔ جبکہ بلا عذر شرعی رمضان شریف کا ایک روزہ اگر چھوڑ دیا جائے تو یہ بہت بڑے اجر سے محرومی کا باعث ہے جس کا ازالہ عمر بھر کے روزے بھی نہیں کر سکتے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

مِن أفطرَ يَومًا من رَمضانَ، من غَيرِ رُخصَةٍ ولا مَرضٍ لَمْ يَقْضِ عَنْهُ صَوْمُ الدَّهرِ كُلِّهِ، وَإِنْ صَامَهُ.

”جس نے بغیر شرعی اجازت اور بیماری کے رمضان شریف کا ایک روزہ بھی توڑا، اسے عمر بھر کے روزے کفایت نہیں کر سکتے اگرچہ وہ عمر بھر روزے رکھے۔“

(ترمذی، الجامع الصحیح، أبواب الصوم عن رسول الله صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، باب ما جاء في الإفطار متعمدا، ۲: ۹۳، رقم: ۷۲۳)

رمضان المبارک وہ مہینہ ہے جس میں اللہ رب العزت کی خاص رحمتیں اور برکتیں نازل ہوتی ہیں۔ دعاؤں کو شرف قبولیت ملتا ہے۔ علاوہ ازیں دنیاوی اور روحانی فیوضات بھی اللہ کی رحمت کا حصہ ہیں جو انسان کو صرف روزہ کی وجہ سے حاصل ہوتے ہیں۔ وہ شخص بد نصیب ہے جو بغیر کسی شرعی رخصت یا مرض کے روزہ چھوڑ کر اس کی رحمت سے محروم ہو جائے۔

رمضان المبارک اور تلاوتِ قرآن مجید

تلاوت قرآن افضل ترین عبادات میں سے ہے۔ حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

أَفْضَلُ عِبَادَةِ أُمَّتِي قِرَاءَةُ الْقُرْآنِ.

(بیہقی، شعب الایمان، ۲: ۳۵۴، رقم: ۲۰۲۲)

”میری امت کی سب سے افضل عبادت تلاوتِ قرآن ہے۔“

یہ عظیم کتاب جس کی تلاوت کی بے پناہ فضیلت ہے، رمضان المبارک کے با برکت مہینہ میں نازل ہوئی۔ اس لحاظ سے قرآن حکیم اور رمضان المبارک کا آپس میں گہرا تعلق ہے۔ رمضان المبارک میں قرآن مجید کی تلاوت کرنے والا گویا اس تعلق کو مضبوط و مستحکم کرتا ہے۔

حضور نبی اکرم ﷺ کی متعدد احادیث مبارکہ اس بات کی دلیل ہیں کہ آپ ﷺ رمضان المبارک میں قرآن حکیم کی تلاوت فرماتے اور جبرئیل امین علیہ السلام کو سناتے۔ حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے:

كَانَ يَلْقَاهُ فِي كُلِّ لَيْلَةٍ مِنْ رَمَضَانَ فَيُدَارِسُهُ الْقُرْآنَ.

(بخاری، الصحیح، کتاب بدء الوحی، باب کیف کان بدء الوحی الی الرسول اللہ ﷺ، ۱: ۷، رقم: ۶)

"حضرت جبرائیل امین رمضان کی ہر رات میں آپ ﷺ سے ملاقات کرتے اور آپ ﷺ کے ساتھ قرآن کا دور کرتے۔"

مزید برآں روز قیامت تلاوتِ قرآن کا اہتمام کرنے والوں اور اس کے معانی سمجھنے والوں کی شفاعت خود قرآن حکیم فرمائے گا۔ حضرت عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

"قیامت کے دن روزہ اور قرآن دونوں بندے کے لئے شفاعت کریں گے۔ روزہ کہے گا: اے میرے رب! میں نے اس شخص کو دن کے وقت کھانے (پینے) اور (دوسری) نفسانی خواہشات سے روکے رکھا، پس تو اس شخص کے متعلق میری شفاعت قبول فرما۔ قرآن کہے گا: اے میرے رب! میں نے اس شخص کو رات کے وقت جگائے رکھا پس اس کے متعلق میری شفاعت قبول فرما۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ان دونوں کی شفاعت قبول کی جائے گی۔"

(احمد بن حنبل، المسند، ۲: ۱۷۴، رقم: ۶۶۲۶)

☆ ماہ رمضان المبارک میں تراویح کے دوران پورے قرآن حکیم کا پڑھنا سنت ہے بشرطیکہ مقتدیوں کو اس سے اکتاہٹ محسوس نہ ہو۔ افضل یہی ہے کہ صلاۃ التراویح کے دوران قرآن حکیم کی تلاوت میں ان کے حالات کو ملحوظ رکھا جائے اور پڑھنے میں اتنی جلدی نہ کی جائے جس سے نماز میں خلل واقع ہو۔

عصر حاضر میں ایک دن میں قرآن حکیم کا شبینہ کرانے کا رواج بہت تیزی سے فروغ پا رہا ہے جو درحقیقت صریحاً سنت کے خلاف ہے کیونکہ حضور نبی اکرم ﷺ اپنے صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کو دورانِ ماہ ایک ختم قران پر اکتفا کرنے کی تلقین فرمایا کرتے تھے۔ آپ ﷺ کے ایک صحابی حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کا معمول ہر روز ایک قرآن ختم کرنے کا تھا۔ آپ ﷺ نے صحابی موصوف کو بلایا اور حسبِ دستور انہیں مہینے میں ایک قرآن ختم کرنے کی ہدایت فرمائی۔ انہوں نے عرض کیا کہ حضور ﷺ مجھے اس سے زیادہ کی استطاعت ہے۔ آپ ﷺ نے ان کے زیادہ اصرار

پر پہلے بیس دن، پھر دس دن اور آخر میں ہر سات دن کے بعد ایک قرآن ختم کرنے کی اجازت ان الفاظ میں عطا فرما دیا:

فَاقْرَأْ. فِي كُلِّ سَبْعٍ.

(مسلم، الصحیح، کتاب الصیام، باب النھی عن صوم الدھر لمن تضر بہ أو فوت بہ حق...، ۲: ۸۱۳، رقم: ۱۱۵۹)

’سات دن میں ایک قرآن پڑھ لیا کرو۔‘‘

مذکورہ بالا حدیث سے یہ نکتہ بڑی صراحت کے ساتھ واضح ہو جاتا ہے کہ ایک دن میں قرآن حکیم کا شبینہ کرانے کا رواج صریحاً خلافِ سنت ہے لہٰذا اگر شبینہ کرانا مقصود ہو تو اس کا صحیح طریقہ حضور ﷺ کی سنت کے مطابق ختم قرآن کے لئے زیادہ سے زیادہ سات سے دس دن یا کم از کم تین رات کی محفل شبینہ کا اہتمام کیا جائے۔ محافل شبینہ کے لئے چند باتوں کو پیش نظر ضرور رکھا جائے کہ تلاوت کردہ قرآنی الفاظ کو سننے والے اس کے الفاظ مطالب و معانی کے ساتھ سمجھ سکیں نہ کہ رفتار اتنی تیز ہو کہ الفاظ گڈمڈ ہو جائیں اور سننے والے کے کچھ بھی پلے نہ پڑے۔

شبینہ میں لاؤڈ سپیکر کا استعمال نامناسب ہے۔ اس لئے کہ تلاوت قرآن سننا واجب ہے۔ نہ سننے والا شریعت کی نظر میں گنہگار ٹھہرتا ہے۔ لہٰذا مناسب اور دانش مندانہ بات یہ ہے کہ شبینہ کے لئے اوّل تو لاؤڈ سپیکر نہ لگایا جائے اور اگر اس کا استعمال ناگزیر ہو تو اس کے لئے اندرونی نظام ہو تاکہ اس کی آواز مسجد کی چار دیواری سے باہر نہ جا سکے۔

شبینہ یا کسی اور صورت میں قرآن کریم اتنا پڑھا جائے جس سے دل بوجھل نہ ہو جونہی اکتاہٹ محسوس ہو تلاوت ختم کر دی جائے۔ حضرت جندب بن عبد اللہ بجلی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

’’قرآن پڑھتے رہو جب تک تمہارا دل زبان کی موافقت کرتا رہے (یعنی جب تک اکتاہٹ نہ ہو) اور جب دل اور زبان میں اختلاف ہو جائے تو اٹھ جاؤ۔‘‘

(مسلم، الصحیح، کتاب العلم، باب النھی عن اتباع متشابہ القرآن، ۴: ۲۰۵۴، رقم: ۲۶۶۷)

رمضان المبارک اور امت مسلمہ کے لیے پیغام

رمضان المبارک امت مسلمہ کے لئے یہی پیغام لاتا ہے کہ ہم جہاں کہیں بھی ہوں، ایک دوسرے کے لئے رحمت و شفقت کا پیکر بن جائیں۔ دوسروں کی ضرورتوں کا بھی اس طرح احساس کریں جس طرح اپنی ضرورتوں کو محسوس کرتے ہیں۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

طَعَامُ الرَّجُلِ يَكْفِي رَجُلَيْنِ. وَطَعَامُ رَجُلَيْنِ يَكْفِي اَرْبَعَةً. وَطَعَامُ اَرْبَعَةٍ يَكْفِي ثَمَانِيَةً. (مسلم، الصحیح، کتاب لأشربۃ، باب: فضیلۃ المواسۃ فی الطعام القلیل، ۳:۱۶۳۰، رقم:۲۰۵۹)

''ایک آدمی کا کھانا دو آدمیوں کے لئے کافی ہے۔ دو آدمیوں کا کھانا چار کے لئے کافی ہوتا ہے اور چار کا کھانا آٹھ کے لئے کافی ہے۔''

رمضان المبارک میں غرباء اور مفلوک الحال لوگوں کو سحری و افطاری کروانے اور ان کی ضروریات کا خیال رکھنے میں یہ فلسفہ پنہاں ہے کہ اس سے شخصی و طبقاتی امتیاز ختم ہو جاتا ہے آپس میں پیار، محبت اور ایثار و قربانی کی فضا پیدا ہوتی ہے اور روزہ دار کی افطاری کروانے سے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی رضا و خوشنودی حاصل ہوتی ہے۔ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

''رمضان ایسا مہینہ ہے جس میں رزق بڑھا دیا جاتا ہے اور جو اس میں کسی روزہ دار کو افطار کروائے اس کے گناہ معاف کر دیے جاتے ہیں، اس کی گردن آگ سے آزاد کر دی جاتی ہے، اس کو بھی روزہ دار جتنا ثواب ملتا ہے اور اس سے روزہ دار کے ثواب میں کوئی کمی نہیں ہوتی۔ صحابہ کرام نے عرض کی: یا رسول اللہ ﷺ! ہم میں سے ہر ایک افطار نہیں کروا سکتا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ اس شخص کو بھی یہ ثواب عطا فرماتا ہے جو ایک گھونٹ دودھ، ایک کھجور یا ایک گھونٹ پانی سے بھی کسی کا روزہ افطار کرواتا ہے۔''

افسوس کہ کئی صاحب ثروت ایسے ہیں جو روزہ موسم کے حالات کے مطابق پورا دن گرم یا سرد ماحول میں گزار کر شام کو انواع و اقسام کے کھانوں، رنگا رنگ پھلوں اور نوع بنوع مشروبات سے چنے ہوئے دستر خوان پر بیٹھتے وقت باہر گلیوں اور سڑکوں میں بیٹھے ہوئے غریب و مفلس روزہ دار مسلمان بھائیوں کی ضرورتوں کا احساس بھی نہیں کرتے۔ عین ممکن ہے کہ ہمارے پڑوس میں کوئی خالی پیٹ پانی کے گھونٹ سے روزہ رکھ رہا ہو اور شام کو افطاری کے وقت کھانے کے لئے کسی کے ہاتھوں کی طرف دیکھ رہا ہو۔ لہٰذا رمضان المبارک ہمیں اپنے نادار، مفلس، فاقہ کش، تنگ دست مسلمان بھائی جن کے پاس اتنی طاقت نہیں کہ وہ لباس و طعام خرید کر اپنا اور اپنے بچوں کا تن ڈھانپ سکیں اور ان کا پیٹ پال سکیں، ان کی ضرورتوں کا خیال رکھنے کی تعلیم دیتا ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ ماہ رمضان ہمیں ریاکاری، غیبت، عیب جوئی، مکر و فریب، بغض و حسد اور جھوٹ جیسے بے شمار معاشرتی و روحانی امراض سے بچانے کی تربیت بھی کرتا ہے۔

ضرورتِ مذہب اور وجودِ باری تعالیٰ

گزشتہ سے پیوستہ

پروفیسر ڈاکٹر حسین محی الدین قادری

لامذہبیت (agnosticism) اور دھریت (atheism) ان چند اہم مسائل میں سے ایک ہے جس نے آج پوری دنیا میں بسنے والی مسلمان نوجوان نسل کے اعتقادات کو گھیر رکھا ہے۔ بد قسمتی سے یہ مسئلہ ہر روز پہلے سے زیادہ سنگین اور شدت اختیار کرتا جا رہا ہے۔ اس مضمون کے پہلے حصہ (شائع شدہ ماہنامہ منہاج القرآن جنوری 2024ء) میں ''ضرورتِ مذہب اور وجودِ باری تعالیٰ'' کے موضوع پر درج ذیل عنوانات کا احاطہ کیا گیا: ۱۔ مذہبیت اور دھریت کیا ہے؟ ۲۔ کیا مذہب اور دین ترقی میں رکاوٹ ہے؟ ۳۔ لامذہبیت اور دھریت کی طرف رغبت کی وجوہات: (۱) علماء کرام کا مناظرانہ رویہ (۲) والدین کی اولاد کے دین و ایمان کی طرف عدمِ توجہی (۳) تعلیمی اداروں کا سیکولر نصاب (۴) بے راہ روی۔ اس مضمون کا آخری حصہ نذرِ قارئین ہے:

آج ضرورت اس امر کی ہے کہ لامذہبیت اور دہریت کی طرف رجحان رکھنے والے نوجوان اذہان کے سامنے حقیقتِ حال واضح کی جائے تاکہ وہ اس طرح کے مسائل کا شکار ہو کر اپنے ایمان، اعتقاد، مذہب اور دین سے متزلزل نہ ہوں۔ یہ فتنہ اس قدر تیزی سے پھیل رہا ہے کہ آج پاکستان میں ایسی آن لائن پلیٹ فارمز آرگنائزیشن وجود میں آگئی ہیں کہ جہاں پر ہزارہا officially رجسٹرڈ دھریے ہیں جو مسلم طبقات سے نکلے ہیں۔ اس طرح کئی معروف سوشل میڈیا شخصیات ایسی ہیں جو اصلاً اپنی فکر میں لامذہب اور دھریے ہیں لیکن ظاہراً پروفیشنل ازم professional thoughts اور sharing کا ایک ایسا لبادہ اوڑھے ہوئے ہیں کہ لوگوں کو ان کے اصلی عقائد تک پہنچنے نہیں دیتے اور غیر محسوس انداز میں ایسے افکار کو لوگوں میں داخل کرتے ہیں۔

ا۔ مذہب اور وجودِ باری تعالیٰ کے جملہ منکرین کے مشترکات

وہ تمام معروف کتب جنھیں دہریے (ethist) پوری دنیا میں اپنی اصل اور بنیاد قرار دیتے ہیں اور جن میں انھوں نے اپنے تمام افکار اور عقائد جمع کیے ہیں اور وہ تمام شخصیات جو دہریوں کے لیے fathers کی حیثیت رکھتی ہیں ان شخصیات اور ان کتب کے مطالعہ سے یہ امر واضح ہوتا ہے کہ ان تمام منکرین میں درج ذیل دو امور مشترک ہیں:

ا۔ نفسیاتی وذہنی مریض ۲۔ ماضی میں متشدد مذہبی سوچ کے حامل

(ا) نفسیاتی وذہنی مریض

اللہ تعالیٰ کے وجود اور ضرورتِ مذہب کا انکار کرنے والے وہ تمام لوگ جو اس سوچ کے ”قائدین“ کہلاتے ہیں، ان تمام میں ایک وجہِ اشتراک یہ ہے کہ وہ سارے ذہنی مریض تھے۔ میں یہ بات غصے سے کہہ رہا ہوں اور نہ طنزیہ کہہ رہا ہوں بلکہ ان کی سوانح عمریوں (Bibliographies) کے مطالعہ کے بعد کہہ رہا ہوں۔ یہ سارے لوگ ایسے تھے کہ ان کے بچپن میں یا زندگی کے کسی حصے میں ان کے ساتھ کچھ نہ کچھ حادثات ہوئے تھے، جن کے نتیجے میں وہ depressions کا شکار ہو گئے اور ردعمل میں انہوں نے اپنے مذہب کے خلاف لکھا اور یہاں تک کہ اللہ کے وجود کا انکار کیا۔

(۲) ماضی میں متشدد مذہبی سوچ کے حامل

لامذہبیت اور دہریت کے نام نہاد رہنماؤں میں دوسری وجہِ اشتراک یہ ہے کہ ان میں سے اکثر و بیشتر (سوائے چند سائنسدانوں کے) ایسے تھے کہ جو دہریہ ہونے سے پہلے معتدل نہیں بلکہ متشدد مذہبی

تھے۔ گویا پہلے بھی ان کی شخصیت میں توازن واعتدال نہیں تھا اور جس بھی مذہب کے وہ ماننے والے تھے، اس مذہب میں وہ متشدد تھے۔ اپنے سوچ میں توازن نہ ہونے کے نتیجے میں انھوں نے جو کچھ اعتقادات اللہ کی ذات کے ساتھ وابستہ کر رکھے تھے اور دعائیں کرتے تھے، جب وہ عملاً پوری نہ ہوئیں تو وہ نتیجتاً reactive ہو گئے اور بدلہ لینے کی ٹھان لی۔ پھر انھوں نے مذہب کے خلاف بھی لکھا اور خدا کو اپنا دشمن تصور کر کے اس کے خلاف بھی لکھا۔

سوال پیدا ہوتا ہے آج تمام پڑھے لکھے ذہین لوگ ان بیمار لوگوں کی کتابیں پڑھ کر اپنا عقیدہ کیوں چھوڑ رہے ہیں؟ اس کا جواب یہ ہے کہ آج کے نوجوان نے جب ان لوگوں کو پڑھا تو یہ سمجھا کہ شاید یہی fashion اور نیا trend ہے، لہذا وہ فیشن اور new trend کے نام پر ان کی راہ پر چل نکلے اور ان کی کتابوں کو پڑھ کر اپنے سچے مذہب اور دین پر سوال کرنے شروع کر دیئے اور اللہ کے وجود کا انکار کرنے لگے۔

۲۔ منکرینِ مذہب کے اعتراضات اور ان کے جوابات

یہ لوگ مذہب کا سرے سے ہی انکار کرتے ہیں تو لا محالہ یہ مذہبی لٹریچر کو بھی نہیں مانتے، وحی کو بھی نہیں مانتے اور اللہ کے وجود کا بھی انکار کرتے ہیں۔ لہذا ان کے اعتراضات کے جوابات کے لیے دلائل بھی عقلی بنیادوں پر یعنی reasoning کے ساتھ پیش کرنے کی ضرورت ہے۔ قرآن مجید اور احادیث مبارکہ سے اس حوالے سے بہت کچھ بیان کیا جا سکتا ہے لیکن ان کے ہاں یہ سمجھا جاتا ہے کہ شاید قرآنِ مجید، احادیثِ مبارکہ اور دیگر آسمانی اور مذہبی کتابیں انسان کی اپنی اختراع ہیں، اس لیے یہ انھیں مانتے ہی نہیں ہیں۔ اس لیے ہم ان کے اعتراضات کا عقلی بنیادوں پر ہی جواب دیں گے:

(ا) کسی بھی قدیم اور آسمانی مذہب میں اللہ کے وجود کا انکار نہیں ہے

دنیا میں جتنے بھی مذاہب ہیں، ان مذاہب کو عموماً دو حصوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے:

۱۔ وہ مذاہب جن میں بدھ ازم، ہندوازم، جین مت اور اس طرح کے مذاہب شامل ہیں۔

۲۔ وہ مذاہب جن میں ابراہیمی مذاہب ہیں یعنی جن کا تعلق سیدنا ابراہیم علیہ السلام کی ذات بابرکات سے ہے۔ ذیل میں ان مذاہب میں خدا کے وجود کے حوالے سے بیان کیا جاتا ہے:

(i) بدھ مت میں خدا کا تصور

بدھ مت میں بھی خدا کا ایک تصور واضح ہے اور ایک تصور واضح نہیں ہے۔ جو تصور واضح ہے، وہ یہ ہے کہ کوئی ایک الوہی حقیقت (Divin e reality) ضرور ہے جو ہماری خالق ہے اور اس دنیا

کے نظام کو چلانے والی ہے لیکن وہ کون ہے؟ اس حصے کے اوپر واضحیت نہیں ہے۔۔۔ کیا اسے جانا جا سکتا ہے؟ اس سوال پر بھی واضحیت نہیں ہے۔۔۔ اس لیے عموماً بدھ ازم کو لامذہب (Agnostick religion) کہا جاتا ہے کہ اس کے اندر الوہیت و ربوبیت کا تصور (concept of divinity) تو ہے لیکن خدا کے وجود کا تشخص، پہچان اور اس کی صفات پر کامل آگہی میسر نہیں ہے۔

(ii) ہندومت میں خدا کا تصور

اسی طرح ہندوازم کے اندر بھی یہ تصور موجود ہے کہ ایک حتمی (ultimate) وجود ہے، ایک divine reality ہے، ایک روحانی قوت ہے جو اس کائنات کو بنانے اور کائنات کو چلانے والی ہے لیکن پھر اس کا دوسرا پہلو یہ ہے کہ وہ کون ہے اور کیسا لگتا ہے۔۔۔؟ وہ اس قوت کو اور اس شناخت کو بہت سی صورتوں میں تبدیل کر دیتے ہیں۔ اس طرح ان کے ہاں تشخص پھیل جاتا ہے اور اس کی واضحیت نہیں رہتی۔

(iii) ابراہیمی مذاہب میں خدا کا تصور

وجودِ باری تعالیٰ کے شعور کو ابراہیمی مذاہب (یہودیت، مسیحیت اور اسلام) میں وضاحت کے ساتھ بیان کر دیا گیا ہے۔ ان تینوں مذاہب کے اندر بالعموم اور اسلام میں بالخصوص اللہ رب العزت کی ذات، اس کی صفات اور اس کی قدرت پر واضحیت عطا کر دی گئی ہے اور اللہ رب العزت کے وجود پر اس کی تمام تر شانوں کے ساتھ اعتقاد رکھنے کو واضح کر دیا گیا ہے۔

مذاہب کی ان دو categories میں اس بات کا انکار نہیں ہے کہ کوئی divine reality ایسی موجود ہے، جس نے یہ ساری کائنات تخلیق کی ہے۔ یعنی مشرکین بھی اس بات کے قائل ضرور تھے کہ انسان سے اوپر کوئی ایک ایسی بالا اور بلند ذات divine reality اور ultimate truth ضرور ہے جس نے ہم سب کو تخلیق کیا ہے اور اس سارے نظام کو چلاتی ہے۔

اسی طرح جتنے بھی قدیم فلسفے، مذاہب اور افکار ہیں، ان تمام کے مطالعہ سے ایک چیز واضح ہو جائے گی کہ ان میں سے کسی ایک نے کبھی انکار نہیں کیا کہ کوئی اونچی اور بلند ذات ایسی نہیں ہے جس نے سب کو تخلیق نہ کیا ہو۔ divine and spiritual reality کا تصور ہر ایک مذہبی دستاویز میں موجود ہے، لیکن اس کی صورت کیا ہے اور اس کو سمجھا کیسے ہے؟ اس حوالے سے کسی نے اس الوہی حقیقت کو کئی صورتوں میں تقسیم کر دیا ہے اور کسی نے توحید کہہ کر ایک صورت میں یکجا رکھا ہے۔ یہ جدا جدا ابحاث ہیں لیکن کسی ایک جگہ پر بھی اللہ کے وجود کا انکار نہیں ہے۔

(۲) چالیس ہزار سال کی انسانی فکری دستاویزی تاریخ اور وجود باری تعالیٰ

انسان کو اس زمین پر کتنا عرصہ گزر چکا ہم اس سے واقف نہیں ہیں لیکن انسان کی فکری دستاویزی تاریخ کم و بیش چالیس ہزار سال پرانی ہے یعنی اس کا دستاویزی ریکارڈ موجود ہے۔ اگر معروف مذاہب کو ہی شمار کر لیا جائے جو انبیاء کرام علیہم السلام کے ذریعہ ہمیں میسر آیا تو ان کا دستاویزی ریکارڈ بھی کم و بیش دس ہزار سال کا میسر ہے۔

۱۔ چالیس ہزار سال پہلے بھی جو اقوام دنیا میں بستی تھیں، ان میں سے ایک قوم آج بھی آسٹریلیا کے براعظم میں بستی ہے جن کو ابروجنیز کہا جاتا ہے، وہ بھی ایک مذہب اور ایک فکر کے ماننے والے تھے، ان کے ہاں بھی اپنے انداز میں divine reality کا تصور پایا جاتا ہے۔

۲۔ ہندومت پانچ ہزار سال پرانا مذہب ہے، اس کے ہاں بھی divine reality کی فکر پائی جاتی ہے۔

۳۔ اڑھائی ہزار سال سے پہلے بدھ مت کے ہاں بھی divine reality کا ایک تصور پایا جاتا ہے۔

۴۔ دو ہزار سال پہلے مسیحیت ہے، ان کے ہاں بھی divine reality کا تصور پایا جاتا ہے۔

۵۔ چودہ سو سال پہلے اسلام کا ظہور ہوا، تاجدار کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہمیں توحید کا درس عطا فرمایا۔

الغرض چالیس ہزار سال سے لے کر آج تک جتنی بھی انسان کی فکری تاریخ کی دستاویزات ہیں، ان چالیس ہزار سال میں کسی ایک نے کبھی خدا کے وجود کا انکار نہیں کیا۔ یہ ہر اس سوچ کا رد ہے جو خدا کے وجود کے منکر ہیں۔ اس سوچ کے حاملین کو دو سو سال کے اندر کہاں سے یہ بات سمجھ آگئی کہ خدا نہیں ہے اور مذہب کی ضرورت نہیں ہے جبکہ چالیس ہزار سال کی تاریخ جو انسان کے پاس تحریری صورت میں دستاویزات کی شکل میں موجود ہے، ان میں سے کسی نے نہیں کہا کہ کوئی divine reality نہیں ہے۔

(۳) قدیم مذاہب میں خدا کو تلاش کرنے کی جستجو

چالیس ہزار سال کا دستاویزی ریکارڈ اس بات کی بھی شہادت دیتا ہے کہ ہر کسی نے نہ صرف خدا کے وجود کا اقرار کیا بلکہ ہر فکری دستاویز کے اندر یہ امر موجود ہے کہ تمام کے ہاں خدا کو تلاش کرنے کی جستجو بھی کی گئی ہے مثلاً: ''رگ وید'' جو ہندو مذہب کی سب سے پرانی اور معروف چار کتابوں ''ویداز'' میں سے ایک ہے، یہ خدا کے وجود اور اس کے وجود کی حقانیت پر مکمل کتاب ہے۔ ''یجر وید'' جو ہندوازم کی دوسری بڑی کتاب ہے، اس کا مطلب ہی خوفِ خدا ہے۔ یہ مکمل کتاب قربِ الٰہی کے حصول کے ذریعہ کو زیرِ بحث لاتی ہے۔

چالیس ہزار سال میں تمام مذاہب کے اندر دو تصور ہمیشہ سے موجزن رہے ہیں:

۱۔ خدا ہے، اس کا انکار نہیں ہے۔

۲۔ اس کے قرب کا حصول بنیادی مقصد ہے۔

اگر ان کے ہاں خدا کا کوئی تصور نہ ہوتا تو یہ مذاہب اپنے اپنے لٹریچر کے بڑے حصوں میں کبھی خدا کو تلاش کرنے اور اس کے خوف و امید کے موضوعات کو زیرِ بحث نہ لاتے۔ یوں سمجھ لیں کہ ہمارے ہاں تصوف کا مضمون ہر مذہب کی بنیاد تھا کہ قربِ الٰہی کیسے حاصل کیا جائے؟ ان تمام مذاہب کے اندر تزکیہ نفس کے موضوع پر ابواب ہیں۔ اگر یہ چیز آج کی اختراع ہوتیں یا صرف چودہ سو سال پہلے اسلام نے دی ہوتیں تو پھر چالیس ہزار سال پہلے لٹریچر میں اس کا وجود نہ ہوتا۔ گویا یوں کہا جاسکتا ہے کہ جب سے انسان نے ہوش سنبھالا ہے۔ انسان کو یہ سبق پڑھائے گئے ہیں کہ ایک خدا ہے، جس کو حاصل کرنا ہے، جس کی طرف سفر کرنا ہے، جس کی راہ تلاش کرنی ہے اور جس کے قرب کی طرف انسان کو متلاشی رہنا ہے۔ پس یہ دو تصورات ہمیشہ سے پائے گئے ہیں۔

بعد ازاں اسلام نے بھی اس امر کی طرف ایسے ہی دعوت دی جیسے پہلے مذاہب دیتے رہے۔ ارشاد فرمایا:

قُلْ سِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ فَانْظُرُوْا كَيْفَ بَدَاَ الْخَلْقَ ثُمَّ اللّٰهُ يُنْشِئُ النَّشْاَةَ الْاٰخِرَةَ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ۔ (العنکبوت، ۲۹: ۲۰)

”فرما دیجیے: تم زمین میں (کائناتی زندگی کے مطالعہ کے لیے) چلو پھرو، پھر دیکھو (یعنی غور و تحقیق کرو) کہ اس نے مخلوق کی (زندگی کی) ابتداء کیسے فرمائی پھر وہ دوسری زندگی کو کس طرح اٹھا کر (ارتقاء کے مراحل سے گزارتا ہوا) نشو و نما دیتا ہے۔ بے شک اللہ ہر شے پر بڑی قدرت رکھنے والا ہے۔“

گویا قرآن مجید میں اللہ رب العزت نے یہی دعوت دی کہ مجھے ڈھونڈو، میں کہاں ہوں اور میری قرب کی راہیں تلاش کرو۔ کسی کو اگر وہ مل نہیں سکا تو اس نے کہہ دیا کہ کوئی ہے ہی نہیں تو یہ اس کی فرسٹریشن ہے، نا سمجھی ہے اور نادانی ہے۔ یہ ایسے ہی ہے کہ کوئی غلط راستے پر پانچ سات سو کلومیٹر سفر کرتا رہے، دو تین دن چلتا رہے، غلط راستے پر چلنے کے سبب اسے منزل تو ملنی نہیں تھی لیکن وہ تنگ آ کر کہے کہ کوئی منزل ہے ہی نہیں۔ اسے راہ بدلنے کی ضرورت تھی، منزل کا انکار کرنے کی ضرورت نہ تھی۔ یہ لوگ کیونکہ غلط راہ کے مسافر ہوئے، اس لیے frustrate اور depress ہو کر منزل کا انکار کر دیا۔ ضرورت اس امر کی تھی کہ یہ راہیں بدل بدل کر دیکھتے تاکہ انھیں منزل میسر آجاتی۔

اللہ تعالیٰ کے وجود کے ساتھ ساتھ قربِ الٰہی کے حصول کے لیے تزکیہ نفس کا مضمون بھی چالیس ہزار سال کی فکری دستاویز کے اندر اہم حصہ ہے۔ اس کا کوئی انکار نہیں کر سکتا۔ اس کی صورتیں، طریقے اور عمل کرنے کے مراحل جدا جدا ہوں گے مگر تصور ہر جگہ پر یکساں ہے۔ تصور کے پائے جانے کا مطلب ہے کہ منزل کی کچھ خبر ہے، جس کی تلاش انسان کا مقصد بنائی گئی ہے۔ گویا روحانیت کا یہ تصور ہمیشہ سے موجزن رہا ہے۔

وجود باری تعالیٰ اور تصورِ روحانیت، ان دونوں افکار کے لیے ایک فلسفیانہ بات سمجھ لیں کہ جب بھی کوئی نئی سوچ، نیا خیال اور نیا idea ہو تو اس کو مرکزی دھارے (main stream) میں داخل کرنے کے لیے زور لگایا جاتا ہے کیونکہ نئی سوچ ہے۔ اس کے لیے brain washing کی جاتی ہے، اہتمام کیا جاتا ہے اور مالی امداد کی جاتی ہے۔ جو اصل دھارا (main stream) ہو، جو پہلے سے چلا آرہا ہو اس کے لیے زور نہیں لگایا جاتا۔ آج خود ہی جائزہ لے لیجیے کہ کس بات کو داخل کرنے کے لیے زور لگایا جاتا ہے اور کون سا اصل اور مرکزی دھارا ہے جو اپنی رفتار سے خود ہی چلتا آرہا ہے۔ اصل اور مرکزی دھارا وہ اعتقاد ہے کہ اللہ کی ذات ہے جس نے ہمیں تخلیق کیا ہے، وہ اس نظام کو چلاتا ہے اور پھر انسان کی زندگی کا بنیادی مقصد تزکیہ نفس کے ذریعے اس کے قرب کا حصول ہے۔ جو کچھ اس اصل اور مرکزی دھارا (main stream) کے سوا ہے اور پچھلے دو تین سو سال میں وجود میں آیا ہے، وہ نئی فکر، نئی سوچ اور نیا فتنہ ہے، جسے آج زور لگا کر، پیسہ خرچ کر کے، سیاسی قوت استعمال کر کے اور تحریروں کے ذریعے لوگوں کے اندر داخل کرنے کی کوشش کی جارہی ہے۔ یہ رویہ اس سوچ کی بذات خود تردید ہے جو سوچ یہ کہتی ہے کہ اللہ رب العزت کے وجود اور مذہب کا انکار کر دے۔

صوفیانہ روش اور تزکیۂ نفس تمام مذاہب میں موجود رہا اور ہے۔ اڑھائی ہزار سال پہلے بدھ مت میں گوتم بدھ نے تزکیۂ نفس اور قربِ الٰہی کے حصول کے لیے بیشتر زندگی جنگلوں بیابانوں میں رہبانیت میں گزار دی۔ اسی طرح جین مت کے اندر آسائش، آرام، لباس اور کھانا پینا بھی اسی مقصد کے لیے ترک کر دیا جاتا ہے۔ ہندو مت اور دیگر مذاہب میں بھی ہمیں یہ روش نظر آتی ہے۔ ان مذاہب کے اس مقصد کے لیے اختیار کیے گئے یہ طریقہ کار غلط ہیں یا صحیح؟ یہ الگ بحث ہے، مگر ان کے یہ جملہ طریقے اس بات کی دلیل ہیں کہ انھیں کسی نہ کسی کی تلاش تھی۔ انھیں ایک احساس تھا کہ جو کچھ ہمارے سامنے ہے، اس کے سوا کچھ ہے جس کی طرف ہم نے سفر کرنا ہے، جس کی حقیقت کو جاننا ہے اور جس کے قرب کو حاصل کرنا ہے۔

(۴) بغیر مذہب، دعویٰ روحانیت فتنہ ہے

آج ایک اور فتنہ بھی بڑی تیزی سے سر اٹھا رہا ہے جو اسی لامذہبیت کا ایک دوسرا نام ہے۔ ہمیں اکثر و بیشتر ایسے لوگ میسر آجائیں گے جو کہتے ہیں کہ ہم کسی مذہب کو نہیں مانتے یا اتنی مذہبی پابندیوں پر یقین نہیں رکھتے۔ وہ کہتے ہیں کہ مذہب کے اندر بڑے جھگڑے ہیں، اس نے بڑے لوگوں کو مروایا۔ ہم اللہ رب العزت کے ساتھ ایک تعلق پر یقین رکھتے ہیں مگر ہم مذہب کو نہیں مانتے، ہم روحانی لوگ ہیں اور روحانیت پر یقین رکھتے ہیں۔ ان میں سے کوئی یوگا شروع کر لیتا ہے، کوئی مراقبہ (meditation) کی practice اختیار کر لیتا ہے، کوئی صرف قوالی سن لیتا ہے اور کوئی کسی اور طریقے کے ساتھ اپنے اس روحانی تعلق کو قائم کرنے کی کوشش کرتا ہے۔

یاد رکھیں! قرب الٰہی کے حصول کی بنیاد ہی مذہب نے عطا کی ہے۔ وجود باری تعالیٰ کا تصور ہی مذہب کی بنیاد ہے۔ لہٰذا جو کوئی ایسا کہے کہ ہم مذہب کے بغیر اللہ سے تعلق قائم کرتے ہیں، تو جان لیں کہ وہ فتنہ ہے۔ مذہب کی پابندی کے بغیر روحانیت کا کوئی وجود نہیں ہے۔ ایسی سوچ یہ لامذہبیت کا دوسرا نام ہے۔ جب کوئی مذہب کو نہیں مانتا اور اپنے آپ کو روحانی بتاتا ہے تو وہ خواہ ساری زندگی اس راہ پر چلتا رہے، اسے کچھ نہیں ملے گا اس لیے کہ روحانیت کی تصدیق مذہبی عقائد، اعتقاد اور اعمال ہی کرتے ہیں۔ جو مذہب پر جتنا عمل پیرا ہوگا، اتنی اس کی روحانیت بھی پختہ ہوتی چلی جائے گی اور جو مذہب اور مذہبی زندگی کو چھوڑ کر روحانیت کی بات کرے گا تو وہ بے جا ہے۔ ان سے کوئی پوچھے کہ مذہب کو نہیں مانتے اور روحانیت کے حصول کے لیے جو عمل کرتے ہو، وہ بھی تو کسی مذہب سے لیا ہوگا۔ پس مذہب کا انکار کرنا اور اس کے سوا اللہ کے ساتھ اپنا تعلق قائم کرنے کا دعویٰ کرنا، ڈھونگ کے سوا کچھ نہیں ہے۔ ہو سکتا ہے وہ خود ڈھونگ نہ کرتا ہو لیکن confused ہو اور اس کو راہ نہ ملتی ہو اور اسے سمجھ نہ آتی ہو کہ جانا کس طرف ہے۔

(۵) سائنس اور وجودِ باری تعالیٰ کا اقرار

مذہب کا انکار کرنے والا یہ طبقہ آج یہ دلیل بھی پیش کرتا ہے کہ سائنس نے مذہب کی ضرورت کو ختم کر دیا ہے اور انسان کی روزمرہ کی زندگی کی ضروریات کو سائنس پورا کر دیتی ہے، لہٰذا وجود باری تعالیٰ پر یقین رکھنے کی حاجت نہیں رہی۔ آیئے! اس اعتراض کا جواب سائنس ہی کی زبان میں دیتے ہیں:

ہم میں سے اکثر لوگ ڈی این اے اور genetic جینز سائنسز کو جانتے ہیں۔ سائنس آج اس پر بہت زیادہ کام کر رہی ہے۔ انسان کے وجود کے ہر عضو کے اندر DNA موجود ہے۔ یہاں تک کہ

ایک ایک بال میں بھی ایک ڈی این اے ہے۔اس ڈی این اے سے اس انسان کی مکمل شخصیت حتی کہ اس کے نسب کا بھی معلوم ہو جاتا ہے۔ مختلف جرائم میں مجرم اکثر اس ڈی این اے ٹیسٹ کی وجہ سے پکڑے جاتے ہیں۔۔۔آج اگر کوئی اپنے آپ کو سید کہلوائے تو ڈی این اے سے اس کے نسب کی تصدیق ہو سکتی ہے کہ آیا وہ سادات سے ہے یا نہیں۔۔۔؟اسی طرح ڈی این اے سے یہ معلومات بھی مل جاتی ہیں کہ اس کو کتنی بیماریاں لاحق ہونے والی ہیں۔۔۔اس کی عمر اور قد وغیرہ کتنا ہوگا۔۔۔؟

آج سائنس اس کو تدریجاً منکشف کر رہی ہے۔ یہ ڈی این اے اسی طرح کام کرتا ہے جیسے کمپیوٹر کام کرتا ہے۔ کمپیوٹر کی زبان (language) کی حروفِ تہجی (Alphabets) کو بائنری codes کہتے ہیں۔ جس کے اوپر basic آپریٹنگ سسٹم تشکیل پاتا ہے۔اسی طرح ڈی این اے کی language کے bindry کوڈز اور alphabets کو جینز کہتے ہیں۔ مختلف جینز کے اندر انسان کی مختلف خصوصیات، عادات، اطوار اور کیفیات پوشیدہ ہیں۔

God Jean کی دریافت

دہریت کے افکار کے ماننے والوں کو سائنس خود جواب دیتی ہے۔2004ء میں genetic سائنسز کا ایک معروف سائنسدان دین ہیمر اپنی کتاب میں لکھتا ہے کہ ہر ڈی این اے میں جو جینز ہیں، اس کے اندر ایک وراثتی jean ہے جو پیچھے سے چلا آرہا ہے، یہ کسی تغیر (mutation) کے نتیجے میں پیدا نہیں ہوا۔ یہ God jean ہے۔یعنی ہر انسان کے ڈی این اے میں ایک خدائی جین موجود ہے۔اس جین کا نام ''وی میٹ ٹو'' ہے۔یہ سائنسدان کہتا ہے کہ اس جین کا بنیادی مقصد ہی روحانی اور نہ نظر آنے والی حقیقت کے اوپر اس بندے کے اعتقاد کو پختہ کرنا ہے۔

یعنی اللہ رب العزت نے ہر انسان کے ڈی این اے میں اس بات کی جستجو پہلے ہی ایک جین کی صورت میں رکھ دی ہے کہ جب تک وہ اپنے مالکِ حقیقی کی تلاش نہ کرے، اسے اپنی زندگی میں خلا محسوس ہوتا رہے گا اور یہ جین اسے کہتا رہے گا کہ اپنے مالکِ حقیقی کو تلاش کرو۔ پس اس جین کی بنیادی اہمیت یہ ہے کہ اسے کسی نہ نظر آنے والی حقیقت پر ایمان رکھنا ہے۔ اللہ رب العزت نے ہر انسان کی تشکیل میں ہی اس امر کو رکھ دیا ہے۔

پہلے تو ہم صرف یہ کہتے تھے کہ باہر سے ہدایت کا ذریعہ اللہ رب العزت نے قرآن اور تاجدار کائنات ﷺ کی ذات کو بنایا اور پھر اس ہدایت کے پیغام کا محافظ اللہ رب العزت نے ہمارے اندر روح کو بنایا لیکن آج تیسری بات سائنس نے ہمیں یہ بتائی کہ صرف روح نہیں بلکہ اس مادی جسم کے ڈی

این اے میں بھی اللہ رب العزت نے God Jean کی صورت میں ایک ایسا Jean رکھ دیا ہے جس کا بنیاد کام ہی یہ ہے کہ زندگی میں اس بندے کو جھنجھوڑتے رہنا کہ اس خالق کو یاد کرو اور اس پر ایمان لاؤ جس کو دیکھ نہیں سکتے۔ بندہ جب تک اس روحانی حقیقت پر ایمان نہیں لائے گا، اسے اپنی زندگی میں خلا محسوس ہوتا رہے گا۔ پس ہدایت کے تین ذرائع اللہ تعالیٰ نے بنا دیے:

۱۔ رشد و ہدایت کے لیے ظاہر اً قرآن اور تاجدار کائنات ﷺ کی ذات بابرکات ہے۔

۲۔ باطن میں روح ہے جو ہمیں ہدایت کی طرف لے جاتی ہے۔

۳۔ ڈی این اے میں God Jean ہے جو ہماری جسم کی کیمیکل فارمیشن کے اندر اللہ تعالیٰ نے رکھ دیا ہے جو ہمیں اللہ کی طرف متوجہ کرتا ہے۔

اب اگر کوئی دہریہ اور لامذہب یہ کہے کہ میں خدا کو نہیں مانتا یا میں کسی مذہب پر یقین نہیں رکھتا تو وہ اپنی بنیادی فطری ساخت کے بھی خلاف جا رہا ہے اور اس کی یہ کیفیت بیماری کے سوا کچھ اور نہیں ہو سکتی۔

پس ہمارے ان نوجوان بچوں اور بچیوں کو ہوش کے ناخن لینے کی ضرورت ہے جو سمجھتے ہیں کہ شاید ماڈرن ازم کی زبان دہریت ہے۔ یاد رکھیں! ماڈرن چال چلن کی روش اور پہچان لامذہبیت نہیں ہے بلکہ لامذہبیت ایک بیماری کا نام ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ہر شے علامت کے طور پر اور دلیل کے طور پر بنائی ہے جو اس کے وجود کا پتہ دیتی ہے اور اس کے قرب کے حصول کا ذریعہ بنتی ہے، اس کے سوا باقی ہر شے فریب اور دھوکہ ہے۔ آج تمام والدین اور اساتذہ اپنی ذمہ داریوں کو سمجھیں اور اپنے بچوں کی نگہداشت اس انداز میں کریں کہ ان کے عقائد کی حفاظت ممکن ہو سکے۔ اللہ تعالیٰ ہمارے حال پر لطف و کرم فرمائے اور ہماری، ہمارے بچوں، اگلی نسلوں کے ایمان کی حفاظت فرمائے اور دنیا آخرت میں ہمیں ایسی زندگی گزارنے کی توفیق عطا فرمائے کہ ہم اس کی بارگاہ میں سرخرو ہو سکیں۔

اَخلاقی اِنحطاط کے تدارک میں ذکرِ الٰہی اور صحبتِ صالحہ کا کردار

ڈاکٹر شفاقت علی شیخ

عصرِ حاضر میں اخلاقی انحطاط نے معاشرے کو اپنی لپیٹ میں لے رکھا ہے اور انفرادی و اجتماعی زندگی میں زہر گھول دیا ہے جس کے سبب زندگی بوجھل و دشوار تر بنتی چلی جارہی ہے۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اس کا حل کیا ہے۔۔۔؟ وہ کون سی تدابیر ہیں جنہیں اختیار کر کے اخلاقی انحطاط کے اس جن کو بوتل میں بند کیا جاسکتا ہے اور بے سکونی بے چینی اور اضطراب کی آگ میں جلتی ہوئی زیست کو امن و امان اور سکون و اطمینان سے ہم کنار کیا جاسکتا ہے۔۔۔؟ اس مسئلہ کے بہت سے حل ہیں مگر سب سے بنیادی اور اہمیت کا حامل حل ''ذکرِ الٰہی اور صحبتِ صالحہ'' کی صورت میں موجود ہے جو برائی سے بچانے اور نیکی کی طرف راغب کرنے میں اہم کردار ادا کرتا ہے۔ ذیل میں قرآن و حدیث کی تعلیمات کی روشنی میں اخلاقی انحطاط کے تدارک میں ''ذکرِ الٰہی اور صحبتِ صالحہ'' کی اہمیت کو واضح کیا جارہا ہے:

ا۔ ذکرِ الٰہی

ذکر دین کی ایک وسیع اصطلاح ہے جس کے لغوی معنی یاد کرنا، نصیحت اور یاد دھانی وغیرہ کے ہیں۔ تاہم اس کے مفہوم میں اس قدر وسعت پائی جاتی ہے کہ قرآنِ مجید کے بقول خود قرآن بھی ذکر ہے، رسول بھی ذکر ہے اور نماز بھی ذکر ہی کی ایک صورت ہے۔ مگر عام طور پر جب ذکر کا لفظ بولا جاتا

ہے تو اس سے مراد اللہ کو یاد کرنا ہوتا ہے خواہ زبان سے ہو یا دل و دماغ سے۔ اسلام کی فہرستِ عبادات میں ذکر کو ایک نمایاں مقام حاصل ہے بلکہ اسے دیگر عبادات کی روح بھی کہا جا سکتا ہے۔

یوں تو ذکر ہر عبادت کا حصہ ہے تاہم عمومی ذکر اور دیگر عبادات میں ایک اہم فرق یہ ہے کہ دیگر عبادات میں بالعموم وقت، جگہ، ہیئت وغیرہ میں سے کوئی نہ کوئی پابندی ملحوظِ خاطر رکھنا ہوتی ہے جب کہ ذکر کے سلسلے میں اس طرح کی کوئی پابندی عائد نہیں کی گئی بلکہ اسے کھلا چھوڑ دیا گیا کہ اللہ کے بندے اُٹھتے بیٹھتے، سوتے جاگتے، چلتے پھرتے اور کھاتے پیتے ہر حال میں جب اور جیسے چاہیں اللہ کا ذکر کرتے رہیں تاکہ انسان کو اللہ کی ذات اور اُس کی عظمت و رفعت کا استحضار رہے اور اُس کے مقابلے میں اپنی حیثیت بھی یاد رہے کہ وہ کیا ہے اور اُس کی ذمہ داری کیا ہے؟ وجہ یہ ہے کہ بھولنا انسان کی فطرت میں شامل ہے۔ گویا انسان بھولنے والے فعل سے بچ نہیں سکتا لیکن اگر وہ یہ بھی بھول جائے کہ اللہ اُس کا خالق و مالک اور اُس کا آقا ہے اور اُس کے مقابلے میں وہ اُس کا حقیر اور ذلیل بندہ ہے تو اُس کی دنیا و آخرت دونوں ہی برباد ہو جائیں گی، اس لیے ذکر کرتے رہنے کا حکم دیا گیا۔

(۱) ذکر اور اصلاحِ قلب

انسان کی شخصیت میں دل کو مرکزی حیثیت حاصل ہے اور اسے جسم کی سلطنت کا بادشاہ کہا جا سکتا ہے، تمام اعضاء و جوارح دل کے تابع ہیں۔ جتنی بھی حرکات و سکنات اور اعمال و افعال انسان سے سرزد ہوتے ہیں وہ سب دل کی اندرونی حالت کے آئینہ دار ہوتے ہیں۔ جیسا دل کا حال ہو گا ویسے ہی اعمال و افعال ہوں گے۔ حضور علیہ السلام نے اسی حقیقت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا:

الآ ان فی الجسد المضغة اذا صلحت صلح الجسد کله و اذا فسدت فسد الجسد کله الا و هی القلب۔

(ملا علی، قاری، مرقاۃ المفاتیح، ۹: ۷۵)

”آگاہ ہو جاؤ، انسانی جسم میں گوشت کا ایک لوتھڑا ہے۔ جب یہ سنور جائے تو پورا جسم سنور جاتا ہے اور جب یہ بگڑ جائے تو پورا جسم بگڑ جاتا ہے۔ جان لو کہ یہ دل ہے۔“

اس کا مطلب یہ ہوا کہ انسان بیرونی دنیا میں جو کچھ بھی ہے وہ اندرونی دنیا کا عکس ہوتا ہے۔ لہٰذا اگر انسان کے ظاہری اخلاق کو درست کرنا ہے تو اُس کے لیے اُس کی قلبی حالت کو درست کرنا ہو گا۔ دل کی بیماریوں کی دوا ذکر ہے:

إن هذه القلوب تصدأ کما یصدأ الحدید۔ قیل یا رسول اللہ ﷺ فما جلاؤها؟ قال ذکر الموت و تلاوة القرآن۔

(مسند الشہاب، ۲: ۱۹۸، رقم: ۱۱۷۸)

”بے شک دلوں کو بھی اُسی طرح زنگ لگ جاتا ہے جیسے لوہے کو زنگ لگ جاتا ہے۔ پوچھا گیا کہ اس کی صفائی کا ذریعہ کیا ہے؟ فرمایا موت کو یاد رکھنا اور قرآن کی تلاوت۔“

یہاں بتایا جارہا ہے کہ مختلف عوامل کی بنا پر دل زنگ آلودہ ہو جاتا ہے اُس میں میل کچیل اور گدلا پن آجاتا ہے، جس کی بنا پر صحیح اور غلط میں تمیز کرنے کی صلاحیت متاثر ہو جاتی ہے۔ دل کے اس زنگ کو دور کر کے اسے اپنی فطری حالت میں لانے کیلئے مجرب نسخہ اللہ کا ذکر ہے۔

ایک اور مقام پر حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

إن لكل شيء صقالة وصقاله القلب ذكر الله تعالى۔

(کنز العمال، ۱:۲۱۴، رقم:۱۷۷۷)

”بے شک ہر چیز کے لیے ایک ریگ مار (صفائی کا ذریعہ) ہوتا ہے اور دل کا ریگ مار اللہ کا ذکر ہے۔“

یہ بات ذہن میں رہنی چاہیے کہ انسان کتنی ہی احتیاط کر لے پھر بھی کچھ نہ کچھ ایسے معاملات ہو تے ہیں جن کی بنا پر دل نے کسی نہ کسی درجے میں زنگ آلودہ ہو جانا ہوتا ہے۔ لہٰذا ذکر کے ذریعے آئینہ دل پر پڑی ہوئی گرد و غبار کو ساتھ ہی ساتھ صاف کرنے کا اہتمام کیا جانا بہت ضروری ہے۔ دل بیمار ہو یا صحت مند دونوں صورتوں میں ذکر ضروری ہے۔ فرق یہ ہے کہ جب دل روحانی بیماریوں کا شکار اور زنگ آلودہ ہوتا ہے تو ذکر کی حیثیت دوا کی ہوتی ہے۔ جس کے ذریعے دل کی صفائی ہوتی ہے۔ پھر جب مسلسل اور متواتر محنت سے دل صاف ہو جاتا ہے تو یہی ذکر دل کی غذا بن جاتا ہے جس کے نتیجے میں وہ

روز بہ روز اللہ تعالیٰ کی محبت اور قرب کی کیفیات میں آگے بڑھتا چلا جاتا ہے۔ گویا ابتداء میں ذکر ایک تلخ دوائی کی طرح ہوتا ہے جس کی طرف طبیعت راغب نہیں ہوتی، لیکن اگر طبیعت پر جبر کر کے کسی قاعدے اور ضابطے کے تحت ذکر کی پابندی کی جائے تو رفتہ رفتہ یہی ذکر ایک صحت مند نشے کی صورت اختیار کر لیتا ہے جس سے طبیعت کو تسکین ملتی ہے۔

(۲) کثرتِ ذکر کی حکمت

ذکر کے حوالے سے ایک اہم بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اہلِ ایمان کو فقط ذکر کا حکم نہیں دیا بلکہ کثرتِ ذکر کا حکم دیا ہے:

یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اذْكُرُوا اللّٰهَ ذِكْرًا كَثِیْرًا۔ وَّسَبِّحُوْهُ بُكْرَةً وَّاَصِیْلًا۔ (الاحزاب، ۳۳: ۴۱، ۴۲)

”اے ایمان والو! تم اللہ کا کثرت سے ذکر کیا کرو اور صبح و شام اسکی تسبیح کیا کرو۔“

اس کثرت ذکر سے کیا مراد ہے؟ اس کی مقدار کتنی ہونی چاہیے؟ اس کی طرف اشارہ بعض دوسرے مقامات پر ملتا ہے:

وَاذْكُرْ رَّبَّكَ اِذَا نَسِیْتَ۔ (الکہف، ۱۸: ۲۴)

”اور اپنے رب کا ذکر کیا کریں جب آپ بھول جائیں۔“

سورہ آل عمران (۱۹۱) میں ارشاد فرمایا:

الَّذِیْنَ یَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ قِیٰمًا وَّقُعُوْدًا وَّعَلٰی جُنُوْبِهِمْ۔

” یہ وہ لوگ ہیں جو (سراپا نیاز بن کر) کھڑے اور (سراپا ادب بن کر) بیٹھے اور (ہجر میں تڑپتے ہوئے) اپنی کروٹوں پر (بھی) اللہ کو یاد کرتے رہتے ہیں۔“

ایک اور مقام پر ارشاد فرمایا:

رِجَالٌ لَّا تُلْهِیْهِمْ تِجَارَةٌ وَّلَا بَیْعٌ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ۔

”(اللہ کے اس نور کے حامل) وہی مردانِ (خدا) ہیں جنہیں تجارت اور خرید و فروخت نہ اللہ کی یاد سے غافل کرتی ہے۔“ (النور، ۲۴: ۳۷)

اِن آیات سے آشکار ہو رہا ہے کہ ایک بندہ مومن کو ہر وقت اور ہر حال میں کسی نہ کسی رنگ میں ذکر میں مشغول رہنا چاہیے۔

احادیثِ مبارکہ سے بھی پتہ چلتا ہے کہ دنیوی زندگی کے اُمور کو سرانجام دیتے ہوئے اللہ کی یاد میں اپنے آپ کو مشغول رکھنا ایک پسندیدہ اور مطلوب کام ہے:

کان النبی ﷺ یذکر اللہ تعالی علی کل احیانہ۔

(صحيح مسلم بشرح النووي، باب ذكر الله تعالى في حال الجنابة وغيرها، ٦٨:٤)

"نبی ﷺ ہر وقت ذکرِ الٰہی کی کیفیت میں رہتے تھے۔"

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا:

یا رسول اللہ ﷺ! ان شرائع الاسلام قد کثرت علینا فمرنا بأمر جامع۔ قال لا یزال لسانك رطبا من ذکر اللہ۔ (مقدسی، الأحادیث المختارة)

"بے شک اسلام میں بہت سی باتیں ہیں، ہمیں کوئی ایک بات ایسی بتائیں جو سب کی جامع ہو۔ حضور ﷺ نے فرمایا: تیری زبان ہر وقت اللہ کے ذکر سے تر رہنی چاہیے۔"

حضرت عبداللہ بن یسر رضی اللہ عنہ نے حضور علیہ السلام سے سوال کیا کہ کون سا عمل بہتر ہے تو آپ ﷺ نے فرمایا:

أن تفارق الدنیا ولسانك رطب من ذکر اللہ عزوجل۔

"تو دنیا اس حال میں چھوڑے کہ تیری زبان اللہ کے ذکر سے تر ہو۔" (مسند ابن الجعد، ۱: ۴۹۲، رقم: ۳۴۳۱)

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ حضور علیہ السلام سے پوچھا گیا کہ قیامت کے دن کس بندے کا درجہ اللہ کے ہاں بہت بلند ہوگا تو آپ ﷺ نے فرمایا:

الذاکرون اللہ کثیرا والذاکرات۔ (جامع ترمذی، باب ما جاء في فضل الذکر، ۵: ۴۵۸، رقم: ۳۳۷۶)

"اللہ کو کثرت سے یاد کرنے والے مرد اور عورتیں۔"

کثرت ذکر کے حکم میں راز یہ ہے کہ انسان کے دو بڑے دشمن نفس اور شیطان ہیں جو ہر وقت خواطر و وساوس کے ذریعے انسان کی فکر کو پراگندہ کرتے رہتے ہیں۔ ذکر کے ذریعے نفس کا بھی تزکیہ ہوتا ہے اور شیطان کے حملوں کے مقابلے میں بھی یہ ایک زبردست ہتھیار ہے۔ جیسا کہ قرآن مجید میں ارشاد فرمایا گیا ہے:

اِنَّ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا اِذَا مَسَّهُمْ طٰٓئِفٌ مِّنَ الشَّيْطٰنِ تَذَكَّرُوْا فَاِذَا هُمْ مُّبْصِرُوْنَ۔ (الاعراف، ۷: ۲۰۱)

"بے شک جن لوگوں نے پرہیزگاری اختیار کی ہے، جب انہیں شیطان کی طرف سے کوئی خیال بھی چھو لیتا ہے (تو وہ اللہ کے امر و نہی اور شیطان کے دجل و عداوت کو) یاد کرنے لگتے ہیں سو اسی وقت ان کی (بصیرت کی) آنکھیں کھل جاتی ہیں۔"

یہی بات ایک حدیث مبارک میں یوں فرمائی گئی ہے:

الشیطان جاثم علی قلب بن آدم فاذا سھا وغفل وسوس وإذا ذکر اللہ خنس۔ (مصنف ابن ابی شیبہ، ۷: ۱۳۵، رقم: ۳۴۷۷۴)

’’شیطان انسان کے دل کے ساتھ چمٹا رہتا ہے۔ پس جب انسان اللہ کی یاد سے غافل ہوتا ہے تو وہ وسوسہ ڈالتا ہے اور جب بندہ اللہ کو یاد کرتا ہے تو وہ پیچھے ہٹ جاتا ہے۔‘‘

ان نصوص سے ظاہر ہوتا ہے کہ شیطان جو انسان کا ازلی دشمن ہے، اُس کے حملوں سے بچاؤ کے لیے بندے کے پاس سب سے مؤثر ہتھیار ذکر ہی ہے۔ جونہی انسان اس سے غافل ہوتا ہے شیطان کو وار کرنے کا موقع مل جاتا ہے۔ چنانچہ شیطان کی پوری کوشش ہوتی ہے کہ انسان ذکر سے غافل رہے۔ لہٰذا فکر کی پراگندگی کا علاج ذکر کی کثرت میں ہی ہے اور جب تک ذکر کثرت سے نہیں کیا جاتا، نہ انسان کی فکر پاکیزہ ہو سکتی ہے اور نہ ہی دل کی بیماریوں سے مکمل شفایابی مل سکتی ہے۔

اسے ایک مثال کے ذریعے سمجھا جا سکتا ہے۔ ایک ڈاکٹر جب مریض کے لیے نسخہ تجویز کرتا ہے تو وہ دوا کی مقدار بھی بتاتا ہے۔ اب اگر مریض اپنی مرضی سے مقدار میں بہت زیادہ کمی کر لے تو اُس کا صحت یاب ہونا بہت مشکل ہے۔ یہی معاملہ یہاں ہے۔ یہ بات بھی ذہن میں رہنی چاہیے کہ ذکر صرف وہی نہیں جو زبان سے کیا جاتا ہے بلکہ دل اور سانس کے ذریعے بھی کیا جاتا ہے۔ نیز ہر وہ کام جو اللہ کی اطاعت میں بجالایا جائے تو وہ بھی ذکر میں ہی شمار کیا جاتا ہے۔

(۳) ذکر بطورِ معالجہ امراضِ نفس

اسلام میں تزکیہ نفس کو بہت زیادہ اہمیت حاصل ہے۔ اسے نبوت کے بنیادی فرائض میں سے ایک اہم فریضہ قرار دیا گیا ہے۔ تمام عبادات کا مقصد بھی تزکیہ نفس کا حصول ہے۔ تزکیہ نفس کا مطلب ہے نفس کا ہر قسم کی آلائشوں، آلودگیوں اور معصیتوں سے پاک ہو کر اللہ کی بندگی اور اطاعت پر کاربند ہو جانا۔ دیکھنا یہ ہے کہ ذکر اس حوالے سے کیا کردار ادا کرتا ہے۔ اس سلسلے میں پہلے یہ سمجھنا ضروری ہے کہ بندگی اور اطاعت میں کوتاہی کی مندرجہ ذیل دو صورتیں ہو سکتی ہیں:

(ا) اعمالِ شریعت بجالانے میں کوتاہی اور کمی جسے معصیت اور گناہ کہتے ہیں۔

(ب) اعمال کو کماحقہ یا اُن کی بہترین شکل میں انجام نہ دے پانا جسے عدمِ احسان کی حالت کہا جاتا ہے۔

اگر مذکورہ بالا دونوں حالتوں پر غور کیا جائے تو ان کا بڑا سبب ایک ہی دکھائی دیتا ہے اور وہ غفلت ہے۔ اگر ایک مسلمان کو ہر وقت یہ بات یاد رہے کہ وہ اللہ کا بندہ ہے اور اُسے اپنے آقا اور مالک کا ہر حکم ماننا ہے۔ نیز اُس کا آقا اُسے ہر وقت دیکھ رہا ہے، نافرمانی کا نتیجہ سخت سزا ہے جس پر وہ آقا ہر وقت قادر

ہے تو اُس کی زمین میں رہتے ہوئے، اُس کے دیے ہوئے اعضاء کو استعمال کرتے ہوئے اور اُس کے خوف سے لاپرواہ ہو کر وہ کیسے اُس کی حکم عدولی کر سکتا ہے۔۔۔؟

اسی طرح اگر ایک مسلمان کو یہ نکتہ بخوبی مستحضر رہے کہ اللہ کے جس حکم پر بھی وہ عمل کر رہا ہے، اللہ اُسے دیکھ رہا ہے اور اس عمل کو بہترین طریقے سے انجام دینے کا نتیجہ اللہ کی رضا اور خوشنودی ہے تو وہ کیسے اس عمل کو غیر سنجیدگی اور لاپرواہی سے انجام دے سکتا ہے۔۔۔؟ اور ان اعلیٰ مراتب سے محرومی کا خدشہ کیسے گوارا کر سکتا ہے جن کا وہ بہت حریص ہے؟

گویا غفلت کا نتیجہ معصیت ہے اور غفلت ہی کا نتیجہ مرتبۂ احسان کا عدمِ حصول ہے۔ غفلت کے اس مہلک مرض کا علاج ''یاد کرنا'' اور ''یاد رکھنا'' ہے۔ ہر وقت اللہ کے مقابلے میں اپنی حیثیت کو یاد رکھنا۔ اس یاد کرنے اور رکھنے کو عربی میں ذکر کہتے ہیں۔ گویا معصیت ترک کرنے کا نسخہ ذکر ہے اور حصولِ درجہ احسان کا ذریعہ بھی ذکر ہے۔ بالفاظِ دیگر اگر کوئی شخص اخلاقی امراض سے نجات پانا چاہتا ہے تو اُس کے لیے بھی کثرتِ ذکر ایک کارگر نسخہ ہے اور اگر کوئی ایمان کے درجات میں ترقی کر کے مراتبِ عالیہ کو حاصل کرنا چاہتا ہے تو اس کے لیے بھی ذکرِ کثیر کی حکمتِ عملی اپنانا ہو گی۔

(۴) ذکر کی سائنسی توجیہ

کثرتِ ذکر کس طرح آدمی کو اخلاقِ رذیلہ سے نجات دلا کر اخلاقِ حسنہ کا خوگر بناتا ہے۔۔۔؟ اس کو سمجھنے کے لیے پہلے یہ جاننا ہو گا کہ ہماری ذات سے اعمال کس طرح صادر ہوتے ہیں؟

۱۔ سب سے پہلے ہمارے ذہن میں خیالات پیدا ہوتے ہیں۔ اُن خیالات کی پیدائش پر ہمارا کوئی کنٹرول نہیں۔ ایک لمحے میں سیکڑوں ہزاروں خیالات پیدا ہوتے ہیں اور قوت متخیلہ ایک سیکنڈ کے بھی بہت تھوڑے حصے میں لاکھوں میل کا فاصلہ طے کر لیتی ہے۔ انسانی خیالات و تصوارت (Imaginations) کی کوئی حد اور حساب نہیں ہے۔ ان کی حیثیت ایک سٹور کی طرح ہے جس میں مختلف چیزیں بھری ہوئی ہوں۔ خود قرآنِ مجید کے بقول انسان میں اچھے اور برے دونوں طرح کے میلانات رکھے گئے ہیں۔ کچھ چیزیں وہ غیر شعوری طور پر وراثت سے پاتا ہے، کچھ چیزیں ابتدائی عمر میں اُس کے والدین اور معاشرہ کی طرف سے منتقل ہوتی ہیں جب اُس کی عقل میں پختگی نہیں ہوتی اور وہ یہ فیصلہ کرنے کے قابل نہیں ہوتا کہ چیزوں کی ماہیت کیا ہے اور اچھائی و برائی میں امتیاز کیسے کرنا ہے؟ پھر بالغ اور باشعور ہونے کے بعد بھی وہ بہت سی چیزیں اپنی مرضی سے کرتا، کہتا اور سوچتا ہے اور بہت سے معاملات اُس کی مرضی کے بغیر ہی اُس کے ساتھ پیش آتے رہتے ہیں۔ مثلاً: مختلف حادثات، سانحات تلخ و شیریں تجربات وغیرہ۔

۲۔ پھر ان سب سے متعلقہ خیالات ذہن کے کسی حصے میں منظم ہونا شروع ہوتے ہیں، اُن کے مختلف اُسلوب اور سانچے بننا شروع ہوتے ہیں اور زندگی کے مختلف حقائق کے بارے میں ایک مرتب رائے بننے کا عمل شروع ہوتا ہے۔

۳۔ بعد ازاں طرح طرح کی سوچوں کے درمیان اور مختلف عوامل کے تحت انسان کی سوچ پختہ اور منظم ہو جاتی ہے اور کچھ خیالات عقائد کا روپ دھار لیتے ہیں۔

۴۔ پھر یہ عقائد یا پختہ سوچ نیت اور ارادے کو جنم دیتے ہیں۔

۵۔ پھر اس ارادے میں عزم پیدا ہوتا ہے تو یہ اعضاء کو حرکت میں لاتا ہے اور یوں عمل وجود میں آتا ہے۔

۶۔ اعمال کی تکرار عادات کو جنم دیتی ہے اور پھر اچھی یا بری جیسی بھی عادات پختہ ہو جاتی ہیں، ویسی ہی شخصیت وجود میں آتی ہے۔

اب دیکھنا یہ ہے کہ اس سارے عمل میں ذکر کیا کردار ادا کر سکتا ہے؟ ذکر سے مراد ہے بعض تصورات کی مسلسل تکرار۔ مذکورہ گفتگو کی روشنی میں سمجھا جا سکتا ہے کہ ان تصوارت کی تکرار سے کیا نتیجہ نکلے گا۔ جو آدمی جس تصور کی تکرار زیادہ کرے گا، وہ تصور پختہ ہوتا جائے گا اور اگر اُس کی تکرار جاری رہے گی تو وہ آہستہ آہستہ نیت، ارادے اور عزم کے مرحلے کو طے کر کے عمل کی شکل اختیار کر لے گا اور پھر تکرار کے مزید جاری رہنے پر عمل کی پختگی عادات میں بدل جائے گی اور انسانی شخصیت انہی تصورات کے عین مطابق بن جائے گی جن کا تکرار تسلسل کے ساتھ جاری رہا۔ لیکن اس میں اہم شرط یہ ہے کہ جو بھی ذکر کیا جائے وہ پوری توجہ، انہماک اور یکسوئی سے کیا جائے۔ جس ذکر میں یہ چیزیں نہ ہوں اور دل و دماغ منتشر ہوں تو اس کے مطلوبہ نتائج ملنے بہت مشکل ہوتے ہیں۔

۲۔ صحبتِ صالحہ

اخلاقی انحطاط کے تدارک میں ذکر کے ساتھ ساتھ صحبتِ صالحہ کا بھی اہم کردار ہے۔ صحبتِ صالحہ کا عمومی اور وسیع تصور یہ ہے کہ نیک اور اچھے لوگوں کے ساتھ میل جول رکھا جائے۔۔۔ دوست اچھے بنائے جائیں۔۔۔ بُرے لوگوں کی مصاحبت اور ہم نشینی سے گریز کیا جائے۔۔۔ اکابر صوفیاء میں سے بھی بعض نے صحبت کے اس وسیع تر مفہوم کو لیا ہے۔ مثلاً: حضرت علی ہجویریؒ نے کشف المحجوب میں صحبت کو معاشرت کے وسیع تر معنوں میں لیا ہے اور چھوٹوں اور بڑوں کے آداب، سفر کے آداب وغیرہ کا ذکر کیا ہے۔ امام قشیریؒ نے بھی صحبت کو عمومی معنوں میں لیا ہے اور اس کے تین

درجے بتائے ہیں: اپنے سے اُونچے درجے والے کی صحبت، اپنے سے کم درجے والے کی صحبت اور ہم پلہ لوگوں کی صحبت۔ حضرت شہاب الدین سہروردیؒ نے بھی صحبت کے وسیع تر معانی کو اختیار کیا ہے اور وہ صحبت کو عمومی ہم نشینی اور عام میل جول کے مفہوم میں لیتے ہیں۔

انسانی زندگی میں بعض چیزیں ایسی ہوتی ہیں جو بہت زیادہ اہمیت کی حامل ہوتی ہیں لیکن انسان اُنہیں سرسری انداز میں لیتے ہوئے نظر انداز کرتا چلا جاتا ہے۔ اُن میں سے ایک صحبت ہے۔ انسانی شخصیت کو سنوارنے اور بگاڑنے میں صحبت کے اثرات مسلّمہ ہیں اور ان کا ازالہ ممکن نہیں۔ اچھی صحبت میں رہنے سے لازماً انسان کی شخصیت پر اچھے اثرات مرتب ہوتے ہیں اور بُری صحبت کے بُرے اثرات بھی یقینی ہیں۔ صحبت کے ان قطعی اثرات کی بنا پر قرآن و حدیث میں جابجا اچھی صحبت کو اپنانے اور بری صحبت سے اجتناب کرنے کی تلقین آئی ہے۔ ارشاد فرمایا:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَكُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِيْنَ۔

”اے ایمان والو! اللہ سے ڈرتے رہو اور اہلِ صدق (کی معیت) میں شامل رہو۔“ (التوبہ، ۹: ۱۱۹)

(۱) صحبت بذریعہ حواسِ خمسہ

ذکر کی صورت میں الفاظ کی طاقت خیالات کو متاثر کرتی ہے لیکن اب اگلی بات یہ ہے کہ خیالات الفاظ کے بغیر بھی حواس کے ذریعے متاثر ہوتے ہیں مثلاً:

دیکھنے سے: ایک باپ بولے بغیر بھی اگر بیٹے کو اُس کی کسی غلط حرکت پر غضب ناک آنکھوں سے گھورے یا ایک محب محبوب کو پیار بھری نظروں سے دیکھے تو ان سب صورتوں میں لفظ کے بغیر بھی خیالات متاثر ہو جائیں گے۔

چھونے سے: ایک اُستاد اگر شاگرد کو غصے سے پکڑ کر جھنجھوڑے تو بھی شاگرد کے خیالات متاثر ہوتے ہیں۔

سننے سے: اگر کسی کے سامنے کوئی اچانک چیخنے لگے یا اُس کے سامنے راگ چھیڑ دیے جائیں تو آدمی متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا۔

سونگھنے سے: اگر ایک شخص کسی باغ میں گلاب کی کیاریوں کے پاس جا بیٹھے یا کسی انتہائی بدبودار جگہ سے اُسے گزرنا پڑے تو دونوں صورتوں میں اُس کے خیالات متاثر ہوں گے۔

چکھنے سے: کسی شخص کو خوش ذائقہ اور خوشبودار مشروب پینے کو دیا جائے یا کڑوی کسیلی دوا پینے کو دی جائے تو دونوں صورتوں میں وہ اُس سے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا۔

اُوپر بیان کردہ پانچوں اقسام کی مثالوں سے واضح ہوتا ہے کہ انسان کے خیالات الفاظ کے استعمال کیے بغیر محض حواسِ خمسہ سے بھی متاثر ہوتے ہیں۔ گویا الفاظ اور زبان ہی اظہار کا ذریعہ نہیں بلکہ ہمارا مشاہدہ یہ ہے کہ ہمارے ہاتھ بھی بولتے ہیں۔ مثلاً: نابینا افراد کے لیے چھو کر پڑھنے کا طریقہ ''بریل'' اب دنیا بھر میں مروج ہے۔ ہماری آنکھیں بھی بولتی ہیں۔ نظر لگنا ہمارا روزمرہ کا مشاہدہ بھی ہے اور صحیح احادیث سے بھی ثابت ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: العین حق۔

(بخاری، کتاب الطب، باب العین حق، رقم: ۵۴۰۸، ۵/۲۱۶۷)

''نظر (بد) لگنا حق ہے۔''

قرآن مجید میں ہے کہ آخرت میں تو ہمارے اکثر اعضاء بولیں گے:

يَوْمَ تَشْهَدُ عَلَيْهِمْ اَلْسِنَتُهُمْ وَاَيْدِيْهِمْ وَاَرْجُلُهُمْ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ۔

''جس دن (خود) ان کی زبانیں اور ان کے ہاتھ اور ان کے پاؤں انہی کے خلاف گواہی دیں گے کہ جو کچھ وہ کرتے رہے تھے۔'' (النور، ۲۴: ۲۴)

اس سے اگلی بات یہ ہے کہ الفاظ اور حواس کے بغیر بھی ایک انسان کے خیالات کی قوت دوسرے انسان کے خیالات کو متاثر کرتی ہے۔ یہ کوئی تصوراتی یا جادوئی بات نہیں بلکہ ہمارے مشاہدے اور تجربے کی بات بھی ہے اور سائنسی انکشافات بھی اس کی تصدیق کرتے ہیں۔ آج کی میڈیکل سائنس یہ کہتی ہے کہ ہمارے بے شمار جسمانی امراض کا سبب ہمارے ذہنی رویے ہیں اور نامور مسلم طبیب ابن سینا کے نزدیک طبیب کے تصورات و خیالات بھی مریض کے علاج اور شفایابی پر اثرانداز ہوتے ہیں۔

(۲) صحبت بذریعہ مزاج و خیالات میں ہم آہنگی

یہ بھی ہمارا روزمرہ کا مشاہدہ ہے کہ حواسِ خمسہ کے استعمال کے بغیر بھی اگر دو افراد کے درمیان مزاج و خیالات میں ہم آہنگی ہو یا خیالات میں شدت ہو تو خیالات دوسرے شخص تک پہنچ جاتے ہیں کیونکہ خیالات لہروں کی صورت میں سفر کرتے ہیں۔ موجودہ سائنس نے ثابت کر دیا ہے کہ فضاء میں ہر وقت ایتھر موجود ہوتا ہے۔ ہمارے خیالات کی لہریں ایتھر پر سوار ہو کر ایک جگہ سے دوسری جگہ پہنچ جاتی ہیں۔ خود ہمارے کان اور آنکھ اسی طرح کام کرتے ہیں کہ آواز کی سمعی لہریں یا آنکھوں کی بصری لہریں سفر کر کے ہمارے کان یا آنکھ تک پہنچ جاتی ہیں اور کان اور آنکھ دونوں میں ایسے پیغام وصول کرنے والے آلے (Receiving Sets) موجود ہیں جو انہیں وصول کر لیتے ہیں۔

ریڈیو اور ٹی وی بھی اسی اُصول پر کام کرتے ہیں جو آج اکثر و بیشتر ہر آدمی کے زیرِ مشاہدہ ہیں۔ فرق صرف یہ ہے کہ ریڈیو، ٹی وی کے لیے سمعی و بصری لہروں کو طاقت سے فضا میں منتشر کر دیا جاتا ہے،

جہاں سے وہ ایتھر کے گھوڑے پر سوار ہو کر ہر جگہ پہنچ جاتی ہیں۔ اب جس شخص کے گھر میں ان سمعی یا بصری لہروں کو وصول کرنے کا آلہ ہو، وہ ان لہروں کو سن یا دیکھ سکتا ہے۔ ایکسرے اور الٹراساؤنڈ کی لہریں بھی اسی اُصول پر کام کرتی ہیں۔

اسی طرح اگر خیالات کی لہروں کو قوت سے پھیلایا جائے اور دوسری طرف ایسا شخص موجود ہو جو اُنہیں وصول کرنے کا مشتاق ہو یا اُس کے خیالات سے اس کی ہم آہنگی ہو تو وہ انہیں وصول کر سکتا ہے۔ اس طرح کا ابلاغ بھی ہماری روزمرہ کی زندگی میں موجود نظر آتا ہے۔ مثلاً: بیٹا اگر شدید زخمی ہو جائے یا مر جائے تو ماں بغیر کسی اطلاع کے بھی بے چین ہو جاتی ہے اور یہ بھی ہمارے روزمرہ تجربے کی بات ہے کہ ہم جس کو چاہیں تصور میں اپنے پاس بلا سکتے ہیں اور جس کو چاہیں تصور کی آنکھ سے دیکھ سکتے ہیں۔ ہمارے شعراء نے بھی ان کیفیتوں کو بیان کیا ہے۔

؎ تم میرے پاس ہوتے ہو گویا
جب کوئی دوسرا نہیں ہوتا

؎ دل کے آئینے میں ہے تصویرِ یار
جب ذرا گردن جھکائی دیکھ لی

پس انسانی اعمال و افعال خیالات کی پیداوار ہوتے ہیں اور خیالات اکثر و بیشتر حواسِ خمسہ کے ذریعے وصول ہونے والی ان دیکھی لہروں کے ذریعے پیدا ہوتے ہیں اور انہی کے ذریعے انہیں ارادی طور پر متاثر کیا جا سکتا ہے۔ یہ کوئی قصہ کہانی یا محض فلسفیانہ بات نہیں بلکہ یہ وہ بات ہے جسے آج کی میڈیکل سائنس اور نیورو فیزیالوجی ثابت کرتی ہے۔

(۳) صحبت کے اخلاق پر اثرات

قرآن و حدیث کی نصوص اور دیگر مذکورہ بالا تصریحات سے یہ حقیقت نکھر کر سامنے آجاتی ہے کہ شخصیت کی تعمیر و تخریب میں ''صحبت'' بھی انتہائی مؤثر عامل کی حیثیت رکھتی ہے جسے کسی بھی صورت نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔ اخلاقِ رذیلہ سے نجات پا کر اخلاقِ حسنہ پر کاربند ہونے کے خواہاں افراد کے لیے ضروری ہے کہ وہ اپنی دوستیوں اور سنگتوں کا جائزہ لیں کہ وہ کس نوعیت کی ہیں۔ پھر جو اچھی دکھائی دیں، اُنہیں برقرار رکھیں اور جو اس کے برعکس ہوں اُن سے حکمت و تدبر کے ساتھ کنارہ کشی اختیار کی جائے یا اُن میں کمی لائی جائے۔

اس حوالے سے ایک اور اہم بات یہ ہے کہ صحبت کو دو اقسام میں تقسیم کیا جا سکتا ہے:

(i) اختیاری: جو اپنے اختیار میں ہے۔ اس میں وہ تمام دوستیاں اور تعلقات شامل ہیں جنہیں انسان اپنی مرضی اور آزاد ارادے کے تحت منتخب کرتا ہے۔

(ii) غیر اختیاری: جو اپنے اختیار میں نہیں۔ مثلاً: خونی رشتے بھائی، بہن، اولاد، دیگر عزیز و اقارب وغیرہ، نوکری، کاروبار اور دیگر سماجی کاموں کے سلسلے میں مختلف لوگوں سے ملنا جلتا۔

اس حوالے سے جو کانٹ چھانٹ کرنی ہے، وہ اول الذکر صحبت میں ہی ہے جبکہ جہاں تک موخر الذکر صحبت کا تعلق ہے وہاں انسان مجبور ہے۔ تاہم اس کو بھی جس حد تک ہو سکے، نظم و ضبط میں لایا جا سکتا ہے۔ نیز اُن کے منفی اثرات کو کم کرنے کے لیے حتی الوسع خاموشی سے مدد لی جا سکتی ہے۔ ان ملاقاتوں میں اللہ تعالیٰ کے ذکر کو بھی وقتاً فوقتاً بات چیت کے دوران شامل کرنا بھی ان کی نحوست کو کم کرتا ہے۔ نیز اچھی صحبتوں کے التزام اور پابندی سے ان کے منفی اثرات کو ختم کیا جا سکتا ہے۔

خلاصۂ کلام

اخلاقی انحطاط کے تدارک کا ''ذکرِ الٰہی اور صحبتِ صالحہ'' کے ذریعے جو لائحہ عمل دیا گیا ہے، وہ ہر شخص کے لیے ہے خواہ وہ کسی بھی زمانے میں اور کسی بھی قسم کے حالات میں رہ رہا ہو۔ ان اصولوں کا تعلق کسی مخصوص زمانے یا حالات سے نہیں ہے بلکہ یہ ایسی بنیادی سچائیاں اور ابدی قوانین ہیں جن کے نتائج حتمی اور یقینی ہیں۔ چنانچہ ہر وہ شخص جو اپنی بشری اور فطری کمزوریوں پر قابو پانا چاہتا ہو۔۔۔ اخلاقِ رذیلہ سے نجات پا کر اخلاقِ حسنہ سے خود کو آراستہ و پیراستہ کرنا چاہتا ہو۔۔ وہ حکمت و تدبر کے ساتھ ذکرِ الٰہی پر کاربند ہو کر اور صحبتِ صالحہ کو اختیار کرتے ہوئے مطلوبہ نتائج حاصل کر سکتا ہے۔ جو لوگ زمانے کی ناہمواریوں میں چلتے ہوئے اپنے آپ کو راست روی پر قائم رکھنا چاہتے ہوں اور اندرونی و بیرونی رکاوٹوں پر قابو پا کر اخلاقی کمال کو پانا چاہتے ہوں تو اُن کے لیے یہ لائحہ عمل منزل تک پہنچنے کی ضمانت دیتا ہے۔

تحریک پاکستان میں علماء و مشائخ کا کردار

حافظ ظہیر احمد

تحریک پاکستان میں علماء و مشائخ کا کردار تاریخ کا ایک ایسا سنہرا کردار ہے کہ اگر اسے حذف کر دیا جائے تو آزادی کی تحریک بے رنگ نظر آئے گی۔ یہ بھی ایک تاریخی حقیقت ہے کہ علمائے حق اگر بانی پاکستان کا دامے، درمے، سخنے ساتھ نہ دیتے تو آزادی کے لئے جمیع اُمت یکسو نہ ہوتی اور تحریک پاکستان کو جذبۂ ایثار سے لبریز اور پُرعزم افرادی قوت دستیاب نہ آتی۔ اپنوں نے جہاں پشت میں خنجر گھونپنے کا کوئی موقع ہاتھ سے نہ جانے دیا وہاں ہر قسم کی فکری سازشوں کو ناکام بنانے والے علماء بھی ہر نازک موقع پر بانی پاکستان اور مسلمانان برصغیر کے شانہ بشانہ جمے اور ڈٹے رہے اس امر میں کوئی شبہ نہیں کہ ایک ہزار سال کی تاریخ میں جب بھی طاقتور طبقے نے سیاسی اختیارات اور وسائل کے حصول کے لئے بے رحمی کا کھیل کھیلا اور اسلام کی بنیادی فکر اور انسانیت کے مفادات کو نقصان پہنچانے کی کوشش کی تو سب سے پہلے علمائے کرام علَمِ حق لے کر باہر نکلے اور انہوں نے سلطان کے مقابلے میں قرآن کی حقانیت ثابت کی اور اُمت کی راہ نمائی کی۔ اس جدوجہد میں نامور محدثین، مجتہدین اور علماء و مشائخ جان سے بھی گزرے۔

فتنوں کے انسداد کیلئے قربانیوں کا جو سلسلہ امامِ اعظم سیدنا ابو حنیفہؒ سے شروع ہوا وہ مختلف زمانوں اور ادوار سے ہوتا ہوا آفتابِ ہند حضرت مجدد الف ثانیؒ، مجاہد کبیر علامہ فضل حق خیر آبادی، مولانا احمد رضا خانؒ، مولانا شوکت علیؒ، مولانا محمد علی جوہرؒ، مفتی کفایت اللہ کافیؒ، مولانا حضرت موہانیؒ جیسی معتبر علمی شخصیات تک پہنچا۔ حضرت امام ابو حنیفہؒ نے عباسی خلفاء کے جبر و استبداد کے خلاف نعرۂ حق بلند

کیا تو ایوانِ خلافت میں لرزہ طاری ہو گیا اور اُنہیں قید و بند سے نبرد آزما ہونا پڑا اور اسی حالت میں اپنے خالقِ حقیقی سے جا ملے مگر باطل کی بیخ کنی کے لئے ایک لمحہ بھی غافل نہ رہے۔

حضرت مجدد الف ثانیؒ نے دورِ اکبری میں دینِ الٰہی کے نام پر دراندازی کی تو حضرت مجدد الف ثانیؒ سیف جلی بن کر سامنے آئے اور اس فتنے کا سر کچلا۔ خود حضرت مجدد الف ثانیؒ اپنے مکتوبات میں دورِ اکبری کے حالات کا نقشہ کھینچتے ہوئے لکھتے ہیں:

''اسلام اتنا کمزور ہو گیا ہے کہ کفار بے کھٹکے مسجدوں کو گرا رہے ہیں اور ان کی جگہ مندر بنا رہے ہیں''۔

نوابزادہ محمود علی خان مطبوعہ لاہور میں لکھتے ہیں آپؒ نے دیوانہ وار اسلام کی اساسی فکر کا تحفظ کیا اور اس مشن میں جلال الدین اکبر کا جاہ و جلال اور رعب و دبدبہ انہیں مرعوب نہ کر سکا۔ آپ نے گوالیار کے قلعے کی تکلیفیں خندہ پیشانی کے ساتھ برداشت کیں۔ ترجمانِ حقیقت اقبالؒ نے اس پر کیا خوب فرمایا:

گردن نہ جھکی جس کی جہانگیر کے آگے
جس کے نفس گرم سے گرمیٔ احرار
وہ ہند میں سرمایۂ ملت کا نگہبان
اللہ نے بروقت کیا جس کو خبردار

قیام پاکستان کی تحریک کی اساس، دو قومی نظریہ ہے جس کے مطابق مسلمان ایک الگ قوم ہیں۔ بلاشبہ علماء کے ایک طبقے نے بڑی شد و مد کے ساتھ پاکستان کی مخالفت کی مگر یہ کہاں کا انصاف ہے کہ اس کو ہائی لائٹ کرنے والے دانشوروں کو 1925ء سے 1942ء تک برصغیر کے کونے کونے میں آل انڈیا سنی کانفرنس کے نام پر نہ وہ یادگار اور فقید المثال کانفرنسز دکھائی دیتی ہیں جن میں مشائخ عظام اور علماء کرام نے اپنا حقیقی کردار ادا کیا اور نہ انہیں یہ بات یاد رہتی ہے کہ ہندوستان کا ایک بھی ایسا گدی نشین یا پیر طریقت نہیں جس نے پاکستان کی مخالفت کی ہو یا اس کے لئے مالی اور جانی قربانی نہ دی ہو۔

جس وقت انگریز حکومت نے ہندوستان کے کسی ایک صوبے کی اسمبلی سے پاکستان کے حق میں قرارداد منظور کرانے کا مطالبہ کیا تو کون نہیں جانتا کہ مجاہد اسلام پیر عبدالرحمن صاحب آف بھرچونڈی شریف نے رات دن ایک کر کے سندھ اسمبلی سے یہ قرارداد منظور کرائی۔

اسی طرح کیا سرحد میں پیر صاحب آف مانکی شریف اور پیر صاحب آف زکوڑی شریف کی مجاہدانہ جدوجہد کے بغیر دو قومی نظریہ کی بنیاد پر وجود میں آنے والی اس مملکت کی تاریخ مکمل ہو سکتی ہے؟ یہ مشائخ و علماء ہی تھے جنہوں نے اپنے بزرگوں کے فکر و عمل کے مطابق اس نظریے کے احیاء میں عملی

حصہ لے کر جان ڈال دی۔ قائدِ اعظم محمد علی جناح نے اپنی فراست، اصول پسندی اور قائدانہ صلاحیتوں سے یہ مقدمہ اس انداز سے لڑا کہ مدینہ منورہ میں قائم ہونے والی پہلی مصطفوی ریاست کے صدقہ میں یہ دوسری ریاست تھی جو محض اسلامی قومیت کے نظریہ پر قائم ہوئی۔

یہ وہی قائدِ اعظم محمد علی جناح تھے جو ابتدائی سیاسی زندگی میں ہندو مسلم اتحاد کے قائل تھے مگر حضرت پیر سید جماعت علی شاہ محدث علی پوریؒ کی مسلسل دینی رہنمائی کے نتیجے میں بالآخر ایک علیحدہ مسلم ریاست (پاکستان) کی تشکیل کے مطالبے پر متفق ہوگئے۔ محدث علی پوریؒ کو 1935ء میں تحریک مسجد شہید گنج کے سلسلہ میں منعقدہ کل ہند کانفرنس کے موقع پر مسلمانانِ ہند کی قیادت کے لئے "امیر ملت" کا خطاب دیا گیا تھا۔

بانی پاکستان کے علاوہ مصورِ پاکستان علامہ محمد اقبالؒ، اولیاء کرام کی عظمت کردار کے مدّاح تھے اور خود اپنے والد گرامی سے سلسلہ قادریہ میں بیعت تھے۔ آپ کو حضرت مجدد الف ثانیؒ سے کامل عقیدت تھی، علم و فکر کی پختگی نے آپ کو ان کے نظریہ "وحدت الشہود" کا قائل بنا دیا تھا جس نے آگے چل کر جداگانہ مسلم قومیت کے تصور کو قوت و توانائی بخشی۔

برصغیر کے اطراف واکناف میں پھیلے علمی اور روحانی سرچشموں کے وارث علماء و مشائخ اور اولیاء کرام، انسان دوستی، خلوص وللّٰہیت، دینی حمیت اور عوام سے قریبی ربط و تعلق کے باعث رائے عامہ تشکیل دینے اور عوامی مزاج متعین کرنے میں محدود اثر ورسوخ رکھنے والے سیاسی زعماء پر برتری رکھتے تھے۔ کروڑوں مریدین و متوسلین کے قلوب واذہان پر براہ راست حکمرانی کرنے والے بزرگان دین ہی اپنی خداداد بصیرت کے باوصف سرسید احمد خان، محمد علی جوہر اور علامہ اقبال اور قائدِ اعظم سے بھی بہت پہلے اس نتیجہ پر پہنچے تھے کہ بدلے ہوئے حالات میں مسلمانانِ برصغیر کی بقاو سلامتی فقط اور فقط جداگانہ مسلم قومیت پر اصرار اور مسلم اکثریتی علاقوں پر مشتمل ایک آزاد اور خود مختار اسلامی ریاست کے قیام میں مضمر ہے۔

1946ء کے انتخابات سے قبل بنارس میں 27 تا 30 اپریل منعقد ہونے والے آل انڈیا اجتماع کے موقع پر ہزاروں علماء و مشائخ کی موجودگی میں مجلس استقبالیہ کے صدر محدث سید احمد کچھوچھویؒ نے مطالبہ پاکستان کی تشریح کرتے ہوئے وضاحت کی تھی کہ "ہمارے نزدیک پاکستان ایسی خود مختار اور آزاد حکومت ہے جس میں شریعت اسلامیہ کے مطابق فقہی اصول پر کسی قوم کی نہیں اسلام کی حکومت ہو جس کو مختصراً یوں کہئے کہ خلافت راشدہ کا نمونہ ہو"۔

اس موقع پر ایک تاریخی قرارداد بھی منظور کی گئی جس میں مطالبہ پاکستان کی حمایت کرتے ہوئے اس عزم کا اعادہ کیا گیا کہ اگر خدانخواستہ مسلم لیگ حصول پاکستان کے مطالبہ سے دستبردار بھی ہو جائے تو بھی ہم

اس وقت تک چین سے نہیں بیٹھیں گے جب تک پاکستان حاصل نہ کرلیں۔ تحریک پاکستان کی جدوجہد میں علماء ومشائخ کے کردار کا گہرا مطالعہ کرتے ہوئے ممتاز مورخ اور نقاد عزیز احمد لکھتے ہیں کہ

”مسلم ہند کی قیادت میں جناح کی کامیابی کا راز جو نظر آتا ہے حقیقت اس کے برعکس ہے۔ وہ خود قیادت نہیں کررہے تھے بلکہ وہ مسلم زعماء اور مسلم اجماع کے پیروکار تھے۔ ان کا اپنا کردار ایک پرخلوص اور صاف ذہن رکھنے والے قانون دان یعنی وکیل کا تھا جو اپنے موکل کی عین خواہش کے مطابق مقدمہ کو نپی تلی زبان میں ڈھال سکتے تھے اور اس کا اظہار بھی کرسکتے تھے“۔

یہاں شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری کے والد گرامی فرید ملت حضرت ڈاکٹر فرید الدین قادریؒ کا تذکرہ بھی ناگزیر ہے کہ آپؒ نے اپنے طالب علمی کے زمانے میں فرنگی محل قیام کے دوران تحریک پاکستان کے لئے گراں قدر خدمات انجام دیں اور انہوں نے ایک خاص وقت تک آل انڈیا مسلم لیگ کے لئے خدمات انجام دیں اور اس کا دفتر غیر فعال نہ ہونے دیا۔ حضرت فرید ملتؒ نے بطور نوجوان تحریک پاکستان کے لئے جو خدمات انجام دیں، چند سال قبل انہیں ان کی ان خدمات کے اعتراف میں گولڈ میڈل سے نوازا گیا اور ان کی خدمات کا فخریہ اعتراف کیا گیا۔ علمائے حق کے اس کردار کے باعث آج ہم باوقار طریقے سے آزاد فضاؤں میں سانس لے رہے ہیں۔

پس یہی علماء ومشائخ واولیاء وہ نفوس قدسیہ ہیں جو اجتماعی ملی شعور کے صورت گر، اجماع امت کے حقیقی ترجمان اور اس پر اسرار جذبے کے محرک اور پوشیدہ ہاتھ کے نمائندہ تھے جس نے تمام تر مذہبی رواداری کے باوجود تاریخ کے کسی بھی مرحلہ پر مسلمانوں کو کبھی ہندومت میں ضم نہیں ہونے دیا اور صدیوں تک نسل در نسل، عہد بہ عہد اور سینہ بہ سینہ باطنی طریق پر جہد مسلسل کے ذریعے مسلم اذہان کو ان کے جداگانہ تشخص کا احساس دلاتے رہے اور پاکستان کی منزل کی جانب ان کی رہنمائی کرتے رہے۔

بالآخران مستقبل کے روشن چراغوں کی لو سے مقام محمد عربی ﷺ سے آشنا کرنے کا پاک فریضہ علماء ومشائخ کی شب زندہ داریوں اور بلاخوف وخطر اپنے پاکیزہ مشن کی طرف استقلال واستقامت کے ساتھ چلتے رہنے کی وفاداریوں اور قول وفعل کی ہم آہنگیوں کا ثمر تھا اور یہ ثمر کتنا میٹھا تھا کتنا شیریں تھا کہ اس کی مٹھاس کا شیرہ پورے ہندوستان کے غیور مسلمانوں کو مٹھاس سے بھر گیا۔ پھر کوئی کڑواہٹ انکا مزہ کرکرانہ کرسکی اور پوری دنیا کے سامنے ایک عجوبہ یعنی پاکستان کا مطلب کیا: لاالہ الااللہ محمد رسول اللہ کے نعرے کا معجزہ رونما ہوا اور پاکستان معرض وجود میں آگیا۔ شاید یہ شعر انہی ہستیوں کے بارے میں کسی نے کہا ہے:

اپنے دامن کو کیا خون سے تر پھولوں نے
اک میرا دامن کانٹوں سے چھڑانے کیلئے

برطانیہ میں تاریخی تقریب رونمائی

شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری کے تالیف کردہ انگریزی ترجمہ قرآن The Manifest Quran کی عظیم الشان تقریبِ رونمائی Harrogate Convention Centre لیڈز (برطانیہ) میں منعقد ہوئی۔ اس تقریب کا اہتمام منہاج القرآن انٹرنیشنل برطانیہ کی طرف سے کیا گیا۔ تقریب میں امریکہ، کینیڈا، برطانیہ، یورپ، گلف اور پاکستان سے 2 ہزار سے زائد افراد، مذہبی سکالرز اور مختلف شعبہ ہائے زندگی سے تعلق رکھنے والی ممتاز شخصیات نے شرکت کی۔ اس تقریبِ رونمائی کو برطانیہ کی تاریخ کی قرآن مجید پر سب سے بڑی تقریب رونمائی کا اعزاز بھی حاصل ہوا ہے۔

تقریبِ رونمائی سے شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری نے خطاب کرتے ہوئے کہا کہ The Manifest Quran انگریزی دنیا کے علمی حلقوں، بالخصوص نوجوانوں کے رجحانات اور سوالات کو پیش نظر رکھتے ہوئے تالیف کیا گیا ہے۔ اس ترجمہ قرآن کی سب سے بڑی خصوصیت اس کا عربی زبان سے براہِ راست انگریزی زبان میں ترجمہ ہے۔ ترجمہ آسان تدریسی عصری انگریزی زبان میں کیا گیا ہے تاکہ انگریزی بول چال والا طبقہ بآسانی اسے پڑھ اور سمجھ سکے۔ یہ ترجمہ کرتے وقت اس

بات کا بطور خاص خیال رکھا گیا ہے کہ زندگی کے مختلف شعبہ جات، عقائد اور معاشرتی و سماجی معاملات سے متعلق اللہ رب العزت نے جو احکامات صادر فرمائے اور انسانیت کو جو الوہی راہنمائی مہیا کی گئی ہے، اس کا اس کی روح کے مطابق ابلاغ یقینی بنایا جائے۔

قرآن مجید کی تعلیمات کو اس کے حقیقی معنوی پس منظر سے ہٹ کر بیان کرنے کی وجہ سے مغربی دنیا کے سکالرز اور عام افراد میں اشکالات ہیں لیکن اس ترجمۂ قرآن سے ان اشکالات کا ازالہ ہو گا۔ قرآن مجید امن، بین المذاہب رواداری، خواتین و اقلیتوں کے حقوق، اعتدال و رواداری، اخلاق و کردار کی اعلیٰ انسانی اقدار کا محافظ و ماخذ اور ضابطہ حیات ہے مگر اس کی عطا کردہ بین الاقوامی امن اور بھائی چارہ کے فروغ کی تعلیمات کو درست انداز میں پیش نہ کرنے کی وجہ سے غلط فہمیاں جنم لیتی ہیں۔ The Manifest Quran کے ذریعے اس بات کی کوشش کی گئی ہے کہ عام انگریزی بول چال والا طبقہ بالخصوص نوجوان براہِ راست اس ترجمہ قرآن سے اس کے اصل معانی اور مفہوم کا ادراک حاصل کر سکیں۔ اللہ رب العزت نے منہاج القرآن کو یہ توفیق بخشی ہے کہ مختلف ممالک اور خطوں میں بولی جانے والی زبانوں میں قران مجید کے تراجم شائع اور تقسیم کروائے جا رہے ہیں۔

شیخ الاسلام نے قرآن مجید کے اس انگریزی ترجمہ کے اقتباسات پیش کر کے اس کی منفرد خصوصیات کو بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ The Manifest Quran اور قرآن مجید کے دیگر انگریزی تراجم میں فرق یہ ہے کہ اس ترجمہ میں اصل متن کی وضاحت، روانی، فہم اور فطری اظہار کو برقرار رکھا گیا ہے۔ قرآن مجید کے ہر ترجمے کی اپنی خوبیاں ہیں۔ The Manifest Quran کی اشاعت کا کسی بھی طرح سے یہ مطلب نہیں ہے کہ دیگر تراجم کی کوئی اہمیت نہیں ہے۔ تمام مترجمین نے قرآنی پیغام کی تفہیم کے فروغ میں اپنا حصہ ڈالا ہے۔ لیکن The Manifest Quran کی کچھ نئی خوبیاں ہیں جو اسے موجودہ تراجمِ قرآن میں منفرد بناتی ہیں۔ The Manifest Quran کسی آیت کے معنی اور موضوع کو بیان کرتے ہوئے اس آیت کے اندر ہر لفظ کے لغوی معنی، نحوی و صرفی قواعد اور اسلوب بیان کی خوبصورتی کو بھی سموئے ہوئے ہے۔

اس موقع پر شیخ الاسلام نے تراجم قرآن کی تاریخ کا احاطہ کرتے ہوئے بیان کیا کہ قرآن مجید کا ترجمہ ایک ایسا عمل تھا جسے رسول اللہ ﷺ کے صحابہ نے اپنایا تھا، جس کی ابتدائی کوشش حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ نے کی تھی، جنہوں نے سورۃ الفاتحہ کا فارسی زبان میں ترجمہ کیا۔ اس موقع پر شیخ الاسلام نے عہد نبوی سے آج تک کے قرآنی تراجم کے مختلف ادوار پر علمی و فکری گفتگو فرمائی۔

شیخ حماد مصطفیٰ المدنی القادری نے اس موقع پر گفتگو کرتے ہوئے کہا کہ The Manifest Quran سے مغربی دنیا میں آباد نوجوانوں کے اذہان میں اسلام کے حوالے سے پائے جانے والے اشکالات کا ازالہ ہوگا۔

تقریب کے شرکاء نے قرآن و سنت کی حقیقی تعلیمات کے فروغ و احیاء کے ضمن میں The Manifest Quran کو ایک عظیم الشان خدمت قرار دیتے ہوئے شیخ الاسلام کو زبردست انداز میں خراجِ تحسین پیش کیا۔ شیخ الاسلام نے تقریب کے مثالی انتظامات پر صدر منہاج القرآن انٹرنیشنل برطانیہ سید علی عباس بخاری، تحسین خالد، محمد فاروق رانا، محمد بصیر، فرید ملت ریسرچ انسٹی ٹیوٹ کے سکالرز کو مبارکباد دی۔ اس تقریب میں صدر منہاج یورپین کونسل بلال اُپل، ظلِ حسن، ڈاکٹر زاہد اقبال، علامہ محمد افضل سعیدی، تحسین خالد، فیصل حسین، عدنان سہیل، شیخ ابو آدم الشیرازی، معظم رضاء، علامہ ذیشان سمیت ممتاز شخصیات نے شرکت کی۔

تجدید و احیائے دین، دعوت و تبلیغ حق، اصلاح احوال امت اور ترویج و اقامت اسلام کے عظیم مصطفوی مشن کے فروغ اور اسلام کی حقیقی تعلیمات سے آگہی کے لئے

ماہنامہ منہاج القرآن

کی سالانہ خریداری حاصل کریں

زیر سرپرستی
شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادریؒ

فی شمارہ: 60 روپے
سالانہ خریداری: 700 روپے

اپنے علاقے میں موجود پبلک لائبریریز، کالجز، سکولز، عوامی مقامات، دوست احباب اور علاقے کی موثر شخصیات کو سالانہ خریداری کی صورت میں تحفہ بھجوائیں

365 ایم ماڈل ٹاؤن لاہور فون: 042-111-140-140 Ext: 128
0300-8886334 Whatsapp: 0300-8105740
Web:www.minhaj.info Email:mqmujallah@gmail.com

”دستورِ مدینہ اور فلاحی ریاست کا تصور“

ایوان اقبال لاہور میں عظیم الشان تقریب رونمائی

”دستورِ مدینہ اور فلاحی ریاست کا تصور“ کے عنوان سے چیئرمین سپریم کونسل منہاج القرآن انٹرنیشنل محترم ڈاکٹر حسن محی الدین قادری کی 14 سو صفحات پر مشتمل کتاب اس اہم موضوع پر پہلی جامع تجزیاتی تحقیق ہے۔ اس تجزیاتی تحقیق میں دستورِ مدینہ کا امریکہ، برطانیہ اور دیگر جدید دساتیر کے ساتھ ایک فکر انگیز تقابلی جائزہ پیش کیا گیا ہے۔ یہ کتاب بیک وقت انگریزی، عربی اور اردو زبان میں شائع ہوئی ہے۔ اس کتاب کا ایک خاص امتیاز یہ ہے کہ عالمِ اسلام کی ممتاز یونیورسٹی جامعہ الازہر کے شیوخ کی طرف سے کتاب کے تحقیقی و تجزیاتی مواد اور اس کی علمی ثقاہت کی تائید و توثیق کی گئی ہے۔ کتاب میں دستور مدینہ کی روشنی میں اصولِ حکمرانی، اسلام کے سیاسی نظام، حقوقِ انسانی، جان و مال کا تحفظ، آزادیِ اظہار، حقوقِ نسواں اور ریاستی اختیارات جیسے اہم موضوعات کا مدلل اور دلنشیں انداز میں احاطہ اور ناقدین کا علمی محاکمہ کیا گیا ہے۔ اس کتاب میں بین الاقوامی دساتیر کی تاریخ کا جائزہ بھی پیش کیا گیا ہے۔

اس عظیم الشان شہرہ آفاق تصنیف کی تقریب رونمائی 26 جنوری 2024ء ایوانِ اقبال لاہور میں منعقد ہوئی۔ اس تقریب میں شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری نے آن لائن شرکت کی اور اظہار خیال

فرمایا جبکہ دیگر مہمانانِ گرامی میں ممتاز وکلاء، دانشور، علمی و قانونی شخصیات اور مختلف شعبہ جات کے محققین شامل تھے۔

ڈاکٹر حسن محی الدین قادری، پروفیسر ڈاکٹر حسین محی الدین قادری، سینئر ایڈووکیٹ سپریم کورٹ آف پاکستان حامد خان، جسٹس (ر) ناصرہ جاوید اقبال، ملائیشیا سے اسلامک اقتصادی امور کی ماہر پروفیسر ڈاکٹر رُسنی حسن، معروف صحافی اور اینکر پرسن محترم اوریا مقبول جان، پروفیسر ہمایوں احسان ایڈووکیٹ (پرنسپل پاکستان کالج آف لاء)، سینئر ایڈووکیٹ سپریم کورٹ اظہر صدیق، چیئرمین اسلامی نظریاتی کونسل ڈاکٹر قبلہ ایاز، چوہدری اشتیاق احمد خان (صدر لاہور ہائی کورٹ بار)، ڈاکٹر منور سلطانہ مرزا (سابق وائس چانسلر ایجوکیشن یونیورسٹی لاہور)، ڈاکٹر فاطمہ سجاد (چیئرمین سکول آف پولیٹیکل سائنس اینڈ انٹرنیشنل ریلیشن ڈیپارٹمنٹ UMT)، ڈاکٹر خالد رانجھا اور میاں انجم نثار (نائب صدر سارک CCI)، بریگیڈیئر (ر) اقبال احمد خان، خرم نواز گنڈاپور اور جملہ مرکزی قائدین اور عوام الناس نے شرکت کی۔ علاوہ ازیں اس تقریب میں مختلف کالجز اور یونیورسٹی کے طلبا و طالبات، لاء ڈیپارٹمنٹس کی فکلیٹیز ممبرز بھی شریک تھے۔ اس تقریب میں سٹیج سیکرٹری کے فرائض محمد فاروق رانا اور علامہ عین الحق بغدادی نے انجام دیئے۔

☆ اس موقع پر خطاب کرتے ہوئے شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری نے فرمایا کہ دستور مدینہ تاریخ عالم کا پہلا فلاحی اور اُم الدساتیر ہے جس میں امورِ مملکت انجام دینے کے حوالے سے مکمل راہ نمائی مہیا کی گئی۔ میثاق مدینہ دستور مدینہ بنا، اسی دستور کی وجہ سے اسلامی تاریخ کی پہلی فلاحی مملکت قائم ہوئی۔ میثاق مدینہ کے موضوع پر میری کتاب اکتوبر 1999ء میں شائع ہوئی جس میں، میں نے دستوری زبان میں میثاق مدینہ کے 63 آرٹیکل قائم کئے۔ ڈاکٹر حسن محی الدین قادری نے دستور مدینہ کا باریک بینی کے ساتھ امریکہ، برطانیہ، یورپ کے جدید دساتیر سے تجزیاتی موازنہ کرتے ہوئے اسے اپنے پی ایچ ڈی کا موضوع بنایا اور مجھے خوشی ہے کہ انہوں نے اس موضوع پر تحقیق کا حق ادا کر دیا۔ میں اس شاندار تحقیق پر ڈاکٹر حسن محی الدین قادری کو مبارکباد دیتا ہوں۔

☆ ڈاکٹر حسن محی الدین قادری نے کہا کہ دستور مدینہ فکر اور الفاظ کے اعتبار سے اپنی مثال آپ ہے۔ دستور مدینہ میں اس وقت کی کسی سپر پاور کے نظام کو کاپی نہیں کیا گیا، یہ بھی آپ ﷺ کا ایک معجزہ ہے۔ اگر دستور مدینہ کہیں سے کاپی کیا گیا ہوتا تو یہ یقیناً کفار مکہ اس پر تنقید کرتے۔

☆ معروف صحافی اور اینکر پرسن محترم اوریا مقبول جان نے کہا کہ آج کی اس تقریب میں شرکت میرے لیے اعزاز ہے۔ میں جب بھی سید الانبیاء ﷺ کی سیرت طیبہ کا مطالعہ کرتا تو دستور

مدینہ کے معاملے پر تشنگی محسوس کرتا تھا۔ میری خواہش تھی کہ کوئی ایسا شخص ہو جو اس پر انسائیکلو پیڈیک کام کرے۔ آج ڈاکٹر حسن محی الدین قادری نے یہ کام کر دکھایا ہے، آئندہ نسلوں تک آقا ﷺ کی سیرت طیبہ کا یہ گوشہ پہنچانے کا سہرہ ڈاکٹر حسن محی الدین قادری کے سر رہے گا۔ اس کتاب نے اس امر کو متحقق کر دیا ہے کہ ریاست مدینہ آج بھی اُمت کے لئے رول ماڈل کا درجہ رکھتی ہے۔ آپ ﷺ نے مختلف مذاہب کے قبائل کو اس سیاسی معاہدے کے ذریعے ایک جگہ جمع کر کے ثابت کیا کہ اسلام وسعتِ قلب و نظر کا حامل نظریۂ حیات ہے۔ اس کے اندر تنگ نظری اور انتہا پسندی نہیں ہے اور یہ ہر مکتب فکر، مذاہب اور نکتہ نظر کا احترام کرتا ہے۔

☆ پروفیسر ہمایوں احسان ایڈووکیٹ (پرنسپل پاکستان کالج آف لاء) نے اپنے خطاب میں کہا کہ ڈاکٹر طاہر القادری جتنے جوانی میں علم سے محبت کرنے والے اور چہرے پر معصومیت رکھنے والے تھے، آج بھی اُن کو دیکھا ہے تو وہی معصومیت ان کے چہرے پر نظر آئی ہے۔ میں شیخ الاسلام ڈاکٹر طاہر القادری کا شاگرد تھا اور مجھے خوشی ہے ڈاکٹر حسن محی الدین قادری میرے شاگرد ہیں، مجھ سے یہ اعزاز کوئی نہیں چھین سکتا۔ ''دستورِ مدینہ اور فلاحی ریاست کا تصور'' ایک عظیم کاوش ہے، یہ آنے والی نسلوں کے لیے انتہائی مفید ہے۔

☆ سینئر ایڈووکیٹ سپریم کورٹ اظہر صدیق نے اظہارِ خیال کرتے ہوئے کہا کہ دستور مدینہ اور فلاحی ریاست کا تصور بہت بڑا موضوع ہے۔ یہ دین، دنیا اور آخرت کی فلاح ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کی عطا ہے کہ یہ سعادت جس کے مقدر میں کر دے۔ ڈاکٹر طاہر القادری صاحب، ڈاکٹر حسن صاحب، ڈاکٹر حسین صاحب اور ان کے ادارہ جات پوری دنیا میں اسلام کا بہت بڑا کام کر رہے ہیں۔ ڈاکٹر حسن صاحب کی اس کاوش پر ہم سب آپ کے احسان مند ہیں۔ شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری نے ساری زندگی علم سے محبت کی اور ہر مسئلے کا قابل قبول علمی حل پیش کیا۔ مجھے خوشی ہے کہ ان کے صاحبزادگان بھی ان کے علمی نقش قدم پر چل رہے ہیں۔ یہ ہی وہ لوگ ہیں جنہیں دیکھ کر دل کو اطمینان ہوتا ہے کہ پاکستان کا مستقبل محفوظ ہے۔ دستور مدینہ کے موضوع پر لکھی جانے والی اس کتاب کا ہر شخص مطالعہ کرے، بالخصوص قانونی حلقے اور سیاستدان اسے ضرور پڑھیں۔

☆ چیئرمین اسلامی نظریاتی کونسل ڈاکٹر قبلہ ایاز نے گفتگو کرتے ہوئے کہا کہ انسانیت پر اسلام اور رسول اکرم ﷺ نے جو احسانات کئے ان میں سے ایک بہت بڑا احسان میثاق مدینہ ہے۔ میثاقِ مدینہ اور دستورِ مدینہ پر جس خوبصورت انداز میں ڈاکٹر حسن محی الدین قادری نے کام کیا بخدا میری نظر سے آج تک ایسا کام نہیں گزرا۔ آج کے دور میں دستورِ مدینہ پر ڈاکٹر حسن محی الدین قادری کا کام

مدلل، محقق اور جامع ہے، ہم سب ان کے احسان مند ہیں انہوں نے ہم سب کا فرض کفایہ ادا کیا ہے۔ یہ کتاب آج کے لبرل طبقات کے اسلام پر اعتراضات کا جواب ہے۔

☆ چوہدری اشتیاق احمد خان (صدر لاہور ہائی کورٹ بار) نے تقریب سے گفتگو کرتے ہوئے کہا کہ ڈاکٹر محمد طاہر القادری بہت خوش قسمت ہیں کہ انہوں نے اپنی اولاد کی بہترین تربیت کی ہے اور آج ان کی تربیت کا ثمر ہم سب کے سامنے ہے۔ ڈاکٹر طاہر القادری اس ملک اور قوم کے لیے ایک بہت بڑا اثاثہ ہیں، یہ ہماری بد قسمتی ہے کہ ہم ان سے کماحقہ مستفید نہیں ہو سکے۔ آج کا دور اور حالات اس بات کے متقاضی ہیں کہ ڈاکٹر حسن محی الدین قادری کی یہ کتاب تمام حکمرانوں تک پہنچائی جائے، میں ڈاکٹر حسن محی الدین قادری کو سلام پیش کرتا ہوں کہ انہوں نے اس موضوع پر ایک جامع تحقیق پیش کی ہے۔

☆ ڈاکٹر منور سلطانہ مرزا (سابق وائس چانسلر ایجوکیشن یونیورسٹی لاہور) نے خطاب کرتے ہوئے کہا ہمارا دین سرچشمۂ علم ہے، ڈاکٹر حسن محی الدین قادری کو مبارکباد پیش کرتی ہوں کہ انہوں نے انتہائی اہم موضوع پر کتاب ترتیب دی ہے اور ثابت کیا ہے کہ دستور مدینہ تمام دساتیر عالم سے بہتر ہے۔

☆ ڈاکٹر فاطمہ سجاد (چیئرمین سکول آف پولیٹیکل سائنس اینڈ انٹرنیشنل ریلیشن ڈیپارٹمنٹ UMT) نے اظہارِ خیال کرتے ہوئے کہا کہ نوجوان نسل آج بھی اسلامی ریاست کے تصور میں دستورِ مدینہ کو دیکھتے ہیں اور ہماری نوجوان نسل کے لیے یہ کتاب انتہائی اہمیت کی حامل ہے۔ ڈاکٹر حسن محی الدین قادری، ادارہ منہاج القرآن اور منہاج یونیورسٹی لاہور کو اس کتاب کی تقریب رونمائی پر مُبارک باد پیش کرتی ہوں۔

☆ ڈاکٹر خالد رانجھا نے اپنے خطاب میں اس منفرد تحقیق کا حق ادا کرنے پر ڈاکٹر حسن محی الدین قادری کو زبردست الفاظ میں خراج تحسین پیش کیا اور کہا کہ قانونی حلقوں کے لئے بھی یہ کتاب راہ نمائی کا فریضہ انجام دے گی۔ یہ کتاب بہت بڑی کاوش ہے، میں اس پر ڈاکٹر حسن محی الدین قادری کو مبارک باد پیش کرتا ہوں۔

☆ میاں انجم نثار (نائب صدر سارک CCI) نے خطاب کرتے ہوئے کہا کیا کہ یہ کتاب ہمارا اسلامی اثاثہ ہے۔ یہ تحقیق ہمارے معاشرے اور نظام حکومت کے لیے بہت سود مند ثابت ہو گی۔

☆ تقریب رونمائی سے عرب ممالک سے الشیخ ڈاکٹر عجیل جاسم النشمی الازہری، الشیخ سعود احمد النجادۃ، ڈاکٹر محمد سالم الحیجی البرماوی، کویت سے الشیخ اُسامہ عیسی الشاہین، مصر سے پروفیسر ڈاکٹر محمد نصر الدُّسوقی لبان، ڈاکٹر ہانی محمد المہدی، بحرین سے پروفیسر محمد جاسم سیار، ڈاکٹر مراد عبد اللہ بَراء الجَنابی، پروفیسر ڈاکٹر محمد عبد الرحیم البُیُومی، پروفیسر ڈاکٹر اَحمد شبل نے ویڈیو لنک پر خطاب کیا اور اس عظیم کاوش پر ڈاکٹر حسن محی الدین قادری کو مبارکباد دی۔

ابواب اور امتیازات

اس کتاب کے درج ذیل کل 7 ابواب ہیں:

۱۔ عالمِ مغرب اور عالمِ اسلام میں قانون سازی کا ارتقاء

۲۔ دستورِ مدینہ کی توثیق و تصدیق (دستورِ مدینہ کی روایات و آرٹیکلز کی تخریج اور راویوں کے احوال)

۳۔ دستورِ مدینہ (تحقیقی جائزہ)

۴۔ ریاست کے عناصرِ تشکیلی (دستورِ مدینہ اور جدید دساتیر کی روشنی میں)

۵۔ دستورِ مدینہ اور جدید دساتیر میں نظامِ حکومت کے عمومی اُصول

۶۔ حقوقِ انسانی (دستورِ مدینہ اور جدید دساتیر کی روشنی میں)

۷۔ ریاستی اختیارات (دستورِ مدینہ اور جدید دساتیر کی روشنی میں)

پہلی جلد اوّل الذکر تین ابواب پر مشتمل ہے، جب کہ دوسری جلد آخری چار ابواب پر محیط ہے۔

☆ اس کتاب کے چند اہم اِمتیازات و تفردات درج ذیل ہیں:

۱۔ دلائل سے ثابت کیا گیا ہے کہ میثاقِ مدینہ، کائناتِ انسانی کا پہلا تحریری دستور ہے۔

۲۔ میثاقِ مدینہ یا دستورِ مدینہ پر یہ پہلی جامع اور کثیر الجہات تجزیاتی تحقیق ہے۔

۳۔ میثاقِ مدینہ کے مختلف آرٹیکلز کی تائید اور توثیق کے لیے قرآنی آیات اور احادیث مبارکہ درج کی گئی ہیں۔

۴۔ کتاب کے مشتملات کی تصدیق و توثیق پر عالمِ اسلام کی ممتاز یونیورسٹی جامعہ الاَزہر کے شیوخ کی تقاریظ شامل ہیں۔

۵۔ یہ تحقیقی کتاب دستورِ مدینہ کا امریکی، برطانوی اور یورپی دساتیر سے تقابلی موازنہ پیش کرتی ہے۔

۶۔ اس کتاب کے مطالعہ سے یہ بات متحقق ہوتی ہے کہ ریاستِ مدینہ تاریخِ عالم کی پہلی فلاحی ریاست (welfare state) تھی۔

۷۔ اس کتاب میں یونان، روم سمیت قبل مسیح کی قدیم تہذیبوں میں آئین سازی کی مختصر تاریخ پر روشنی ڈالی گئی ہے۔

یہ ریاستِ مدینہ کے ماڈل کو سمجھنے کے لیے مفید مواد ہے، جس سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ ریاستِ مدینہ کا انتظامی، معاشی، فلاحی ماڈل سب سے بہترین ہے جو ماضی کی کسی تہذیب سے مستعار نہیں لیا گیا۔

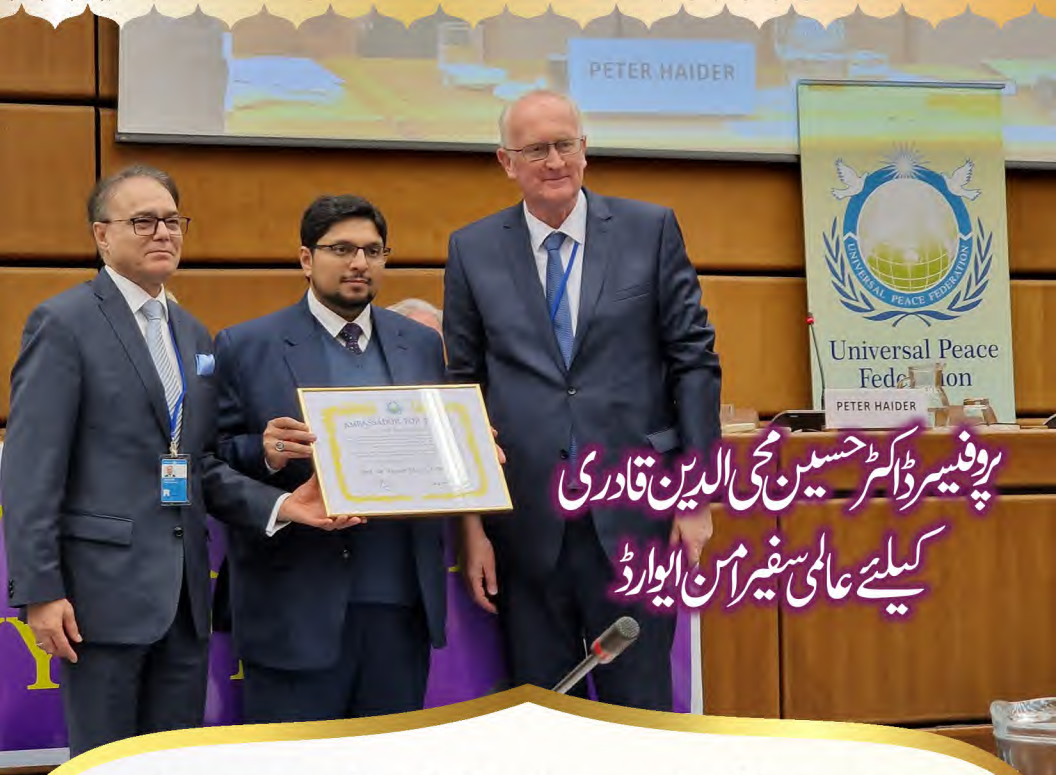

پروفیسر ڈاکٹر حسین محی الدین قادری کیلئے عالمی سفیرِ امن ایوارڈ

منہاج القرآن انٹرنیشنل کے صدر پروفیسر ڈاکٹر حسین محی الدین قادری کو The Universal Peace Federation کی طرف سے اقوام متحدہ کے ہیڈ کوارٹر آسٹریا (ویانا) میں سفیرِ امن ایوارڈ دیا گیا۔ یہ ایوارڈ انہیں بین المذاہب ہم آہنگی کے فروغ کے لئے انجام دی جانے والی گراں قدر عالمی خدمات کے اعتراف میں دیا گیا۔ اس موقع پر اُنہیں بین المذاہب عالمی کانفرنس 2024ء کے لئے کلیدی مقرر اور مہمانِ اعزاز کا سٹیٹس بھی دیا گیا ہے۔ یہ ایوارڈ اس خطے اور دنیا بھر میں کمیونٹی اور مذہب دونوں شعبوں سے بالاتر ہو کر امن اور ہم آہنگی کو فروغ دینے کے لیے ڈاکٹر حسین محی الدین قادری، منہاج القرآن اور منہاج یونیورسٹی کے غیر متزلزل عزم کو عالمی سطح پر تسلیم کرنا ہے۔

ڈاکٹر حسین محی الدین قادری کو یہ ایوارڈ Dr. Peter Haider (صدر یونیورسل پیس فیڈریشن آسٹریا) اور Dr. Afsar Rathore (ممبر آف اکیڈمک کونسل آف دی یونائیٹڈ نیشن سسٹم۔ ACUNS) نے پیش کیا۔ تقریب میں کمیونٹی کے متعدد رہنماؤں، سفیروں، اور دنیا بھر کے سکالرز اور تعلیمی اداروں کی معزز شخصیات نے شرکت کی۔

پروفیسر ڈاکٹر حسین محی الدین قادری نے اس موقع پر اظہارِ خیال کرتے ہوئے کہا کہ اعتدال اور رواداری الوہی مذاہب کی مرکزی فکر ہے۔ باہمی الفت و محبت کی فکری بنیادوں پر ایک پرامن

بین الاقوامی برادری کی تشکیل ممکن ہے۔ اس موقع پر گفتگو کرتے ہوئے ڈاکٹر حسین محی الدین قادری نے اسلامی تعلیماتِ امن و رواداری اور پاکستان کے آئین میں موجود بین المذاہب ہم آہنگی اور اقلیتوں کو حاصل حقوق پر سیر حاصل گفتگو کی۔

پروفیسر ڈاکٹر حسین محی الدین قادری کو عالمی ایوارڈ ملنے پر شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری، چیئرمین سپریم کونسل ڈاکٹر حسن محی الدین قادری، ناظم اعلیٰ خرم نواز گنڈاپور، نائب صدر بریگیڈیئر (ر) اقبال احمد خان، جملہ مرکزی قائدین، اساتذہ منہاج یونیورسٹی لاہور، کارکنان ورفقاء تحریک اور جملہ طبقہ ہائے زندگی کی نمائندہ شخصیات کی طرف سے مبارکباد دی گئی۔

یہ امر ذہن نشین رہے کہ ''یونیورسل پیس فیڈریشن'' کی طرف سے کسی بھی پاکستانی کو ملنے والا یہ پہلا ایوارڈ ہے۔ یہ ایوارڈ منہاج القرآن انٹرنیشنل اور منہاج یونیورسٹی لاہور کی طرف سے بین المذاہب رواداری کے فروغ کی عملی کاوشوں کے اعتراف میں دیا گیا۔ منہاج یونیورسٹی لاہور کو یہ اعزاز حاصل ہے کہ جس نے ورلڈ ریلیجنز پر سب سے زیادہ بین الاقوامی کانفرنسز منعقد کیں اور اقلیتی آبادی کے لئے اُن کے مذہب میں اعلیٰ تعلیمی ڈگری پروگرامز کا اجراء کیا جس کا اعتراف دنیا بھر میں کیا گیا ہے۔

علاوہ ازیں غیر قانونی امیگریشن اور ہیومن سمگلنگ کی روک تھام، انتہا پسندی کے تدارک کے لئے بین الاقوامی ادارے منہاج یونیورسٹی لاہور کے ساتھ مل کر تحقیقی سطح پر کردار ادا کرنے میں دلچسپی لے رہے ہیں اور اس ضمن میں دنیا کی نامور یونیورسٹیاں ایم او یو پر دستخط کر رہی ہیں، یہ بھی پاکستان کا ایک اعزاز ہے۔

شیخ الاسلام کی 73 ویں سالگرہ
دنیا بھر میں تقریبات کا انعقاد

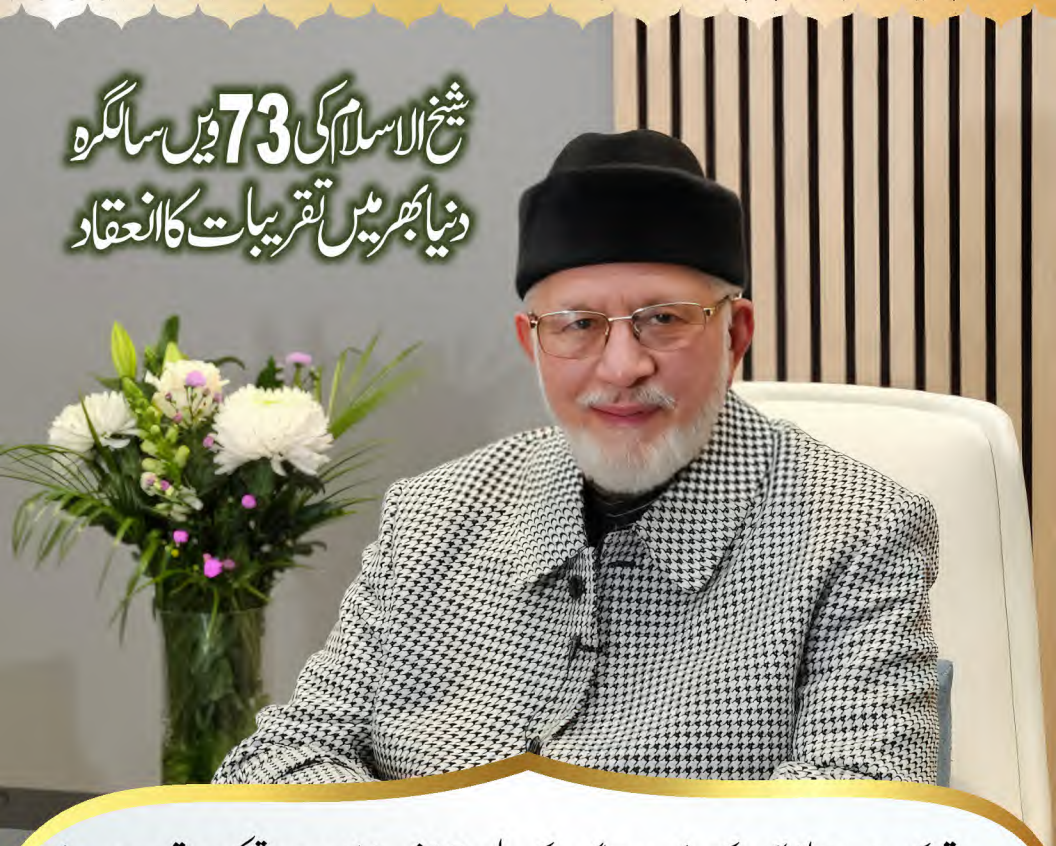

تحریک منہاج القرآن کے رفقاء و وابستگان کے لیے 19 فروری کا دن یومِ تشکر اور تجدیدِ عہدِ وفا کا دن ہے۔ اس دن دنیا بھر میں موجود کارکنان و رفقاء اپنے اپنے انداز میں شیخ الاسلام سے محبت و عقیدت کا اظہار کرتے ہیں۔ امسال بھی شیخ الاسلام کی 73 ویں سالگرہ کی مناسبت سے لاہور، کراچی، پشاور، کوئٹہ اور آزاد کشمیر سمیت پاکستان کے تمام علاقوں میں قائد ڈے تقریبات منعقد ہوئیں۔ جن میں مقامی، ضلعی، صوبائی اور مرکزی سطح کی قیادت نے شرکت کی۔ بیرون ممالک امریکہ، برطانیہ، سپین، جاپان، کوریا، یونان، جرمنی، چلی، دبئی، ڈنمارک، ہالینڈ، ناروے، کینیڈا، آسٹریلیا، بھارت، بنگلہ دیش، ساؤتھ افریقہ اور دنیا بھر میں قائم منہاج القرآن انٹرنیشنل کی تنظیمات اور اسلامک سنٹرز کے زیر اہتمام خصوصی تقاریب منعقد ہوئیں۔

قائد ڈے کی مناسب سے منعقدہ کانفرنسز، سیمینارز اور تقریبات میں مقررین نے شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری کو تعلیمی، مذہبی، سیاسی، فلاحی خدمات اور امن عالم کے قیام کیلئے فکری و عملی رہنمائی دینے پر خراج تحسین پیش کیا۔ اِن تقریبات کے اختتام پر سالگرہ کے کیک بھی کاٹے گئے اور شیخ الاسلام کی درازی عمر اور صحت و سلامتی کیلئے دعائیں بھی کی گئی۔ ان تمام تقریبات کی تفصیلات اور تصاویر کے لیے www.minhaj.org کا وزٹ کریں۔

☆ شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری کی 73 ویں سالگرہ کی مرکزی تقریب مرکزی سیکرٹریٹ ماڈل ٹاؤن لاہور میں دعائیہ تقریب کے عنوان سے منعقد ہوئی۔ اس تقریب میں ہزاروں افراد شریک ہوئے۔ دعائیہ تقریب میں چیئرمین سپریم کونسل ڈاکٹر حسن محی الدین قادری، صدر منہاج القرآن پروفیسر ڈاکٹر حسین محی الدین قادری نے خصوصی شرکت کی۔ کوٹ مٹھن شریف سے محترم پیر خواجہ معین الدین کوریجہ، پاکپتن شریف سے محترم پیر احمد مسعود دیوان دیگر مشائخ کرام کے ہمراہ مہمانانِ خصوصی کی حیثیت سے تشریف لائے۔ علاوہ ازیں جملہ مرکزی قائدین، سربراہان شعبہ جات اور سٹاف ممبران نے بھی اس پروگرام میں شرکت کی۔

اس تقریب میں نامور قوال فیض علی فیضی اور رفاقت علی و ہمنوا نے قوالی کی صورت میں نعتیہ اور صوفیانہ کلام پیش کیے۔ محمد افضل نوشاہی، شہباز قمر فریدی، ڈاکٹر سرور حسین نقشبندی، ظہیر عباس بلالی، امجد بلالی، شہزاد برادران، بلالی برادران، رضا المصطفیٰ و دیگر احباب نے حمدیہ و نعتیہ کلام اور شیخ الاسلام کی خدمات پر مبنی تحسینی کلام پیش کیے۔ اس موقع پر 73 ویں سالگرہ کا کیک بھی کاٹا گیا اور شیخ الاسلام کی درازی عمر کے لئے اور ملکی سلامتی و خوشحالی کے لئے خصوصی دعا بھی کی گئی۔ خوبصورت اور پروقار پروگرام کے انتظام و انصرام پر شیخ الاسلام نے ناظم اعلیٰ خرم نواز گنڈاپور اور نائب ناظم اعلیٰ محمد جواد حامد کو خصوصی مبارکباد دی۔ نقابت کے فرائض محترم صفدر علی محسن اور محترم صاحبزادہ تسلیم احمد صابری نے انجام دیئے۔

☆ انٹرفیتھ ریلیشنز منہاج القرآن انٹرنیشنل اور ڈائریکٹوریٹ آف ریسورسز اینڈ مارکیٹنگ کے زیر اہتمام شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری کی 73 ویں سالگرہ کے حوالے سے تقریب منعقد ہوئی جس میں مختلف مذاہب اور مسالک کی نمائندہ شخصیات نے شرکت کی۔ اس موقع پر منہاج القرآن

انٹرنیشنل کے صدر پروفیسر ڈاکٹر حسین محی الدین قادری نے اظہار خیال کرتے ہوئے کہا کہ دنیا میں امن کے قیام کیلئے بین المذاہب ہم آہنگی و رواداری کو فروغ دینا ہو گا۔ تقریب میں شریک مختلف مذاہب و مسالک کے رہنماؤں نے شیخ الاسلام کو 73 ویں سالگرہ کی مبارکباد دی اور کیک کاٹا۔ ڈائریکٹر انٹرفیتھ ریلیشنز منہاج القرآن انٹرنیشنل سہیل احمد رضا نے مختلف مذاہب کے راہنماؤں کو تقریب میں خوش آمدید کہا۔ تقریب سے خطاب کرتے ہوئے آرچ بشپ سبیسٹین فرانسس شاہ نے کہا کہ ڈاکٹر محمد طاہر القادری کی بین المذاہب ہم آہنگی کیلئے کاوشوں کو قدر کی نگاہ سے دیکھتے ہیں اور ان کی درازی عمر کے لیے دعا کرتے ہیں۔ تقریب میں ریورنڈ سلیم کھوکھر، سردار کرپا سنگھ، راہنما پاکستان سکھ گوردوارہ کمیٹی سردار بھگت سنگھ، چیئرمین پاکستان ہندو مندر کمیٹی شری کرشن شرما، مرکزی رہنما مجلس وحدت المسلمین علامہ حسن رضا ہمدانی، چیئرمین کل مسالک علماء بورڈ علامہ محمد عاصم مخدوم، پروفیسر محمود غزنوی کے علاوہ دیگر رہنماؤں نے اظہار خیال کرتے ہوئے کہا کہ مذہبی طبقات میں ڈائیلاگ کا دروازہ کھولنے کیلئے تحریک منہاج القرآن کی عملی کاوشوں کو قدر کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔

☆ شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری کی ہمہ جہتی خدمات کو خراجِ تحسین پیش کرنے کے لیے تحفیظ القرآن انسٹی ٹیوٹ، آغوش کمپلیکس، گرلز کالج، MES، شریعہ کالج، ای لرننگ ڈیپارٹمنٹ، FMRi، انٹرنیٹ بیورو، منہاجینز فورم، مصطفوی سٹوڈنٹس موومنٹ، یوتھ لیگ، علماء کونسل، منہاج القرآن ویمن لیگ، منہاج یونیورسٹی اور دیگر مرکزی شعبہ جات کے زیر اہتمام بھی تقریبات کا اہتمام کیا گیا جن میں ڈاکٹر حسن محی الدین قادری، ڈاکٹر حسین محی الدین قادری اور جملہ مرکزی قائدین اور شعبہ جات کے سربراہان نے خصوصی شرکت کی۔

☆ ڈاکٹر حسن محی الدین قادری نے کراچی، حیدر آباد اور اندرونِ سندھ کا خصوصی وزٹ کیا اور قائد ڈے تقریبات کے سلسلے میں متعدد کانفرنسز اور سیمینارز سے خطاب کیا۔

☆ ڈاکٹر حسین محی الدین قادری نے ہری پور، ایبٹ آباد، مظفر آباد، حویلیاں، کوہاٹ اور دیگر علاقہ جات کا خصوصی تنظیمی دورہ کیا اور قائد ڈے تقریبات و دیگر پروگرامز میں خصوصی شرکت کرتے ہوئے خطابات کیے۔

☆ تحریک منہاج القرآن سنٹرل پنجاب کے زیر اہتمام مختلف اضلاع میں قائد ڈے تقریبات منعقد ہوئیں جن میں مرکزی نائب ناظم اعلیٰ علامہ رانا محمد ادریس قادری نے خصوصی شرکت کی اور خطابات کیے۔ ان تقاریب کا انعقاد ملتان، سیالکوٹ، گوجرانولہ، جھنگ، شورکوٹ، اٹھارہ ہزاری، اکڑیانوالہ، گڑھ موڑ، چنیوٹ، لالیاں، ظفروال، گکھڑ، ڈسکہ، بجوات، نوشہرہ ورکاں، علی پور چھٹہ، سمبڑیال، منڈی بہاوالدین، گوجرہ، ملکوال اور جڑانوالہ میں ہوا۔ جملہ تقریبات میں مختلف شعبہ ہائے زندگی سے تعلق رکھنے والی معروف شخصیات اور تحریک منہاج القرآن کے مقامی ذمہ داران وکارکنان نے شرکت کی۔

☆ مرکزی نائب ناظم اعلیٰ کوآرڈینیشن انجنیئر محمد رفیق نجم نے شمالی پنجاب کے مختلف اضلاع میں شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری کی 73 ویں سالگرہ کے موقع پر منعقدہ تقریبات میں خصوصی شرکت کی اور اظہار خیال کیا۔ یہ تقریبات ساہیوال، ضلع سرگودھا ساؤتھ، بھکر، جنڈانوالہ، تحصیل کلو کوٹ، پپلاں، ضلع میانوالی، واں بھچراں پی پی 86، میانوالی اور دیگر اضلاع میں منعقد ہوئیں۔ ان تقریبات میں مختلف شعبہ ہائے زندگی سے تعلق رکھنے والی شخصیات معروف شخصیات اور تحریک منہاج القرآن کے ذمہ داران وکارکنان نے شرکت کی

☆ جنوبی پنجاب کے اضلاع میں شیخ الاسلام کی 73 ویں سالگرہ کے موقع پر منعقدہ تقریبات میں نائب ناظم اعلیٰ جنوبی پنجاب سردار شاکر خان مزاری نے خصوصی شرکت کی اور خطابات کیے۔

☆ نائب ناظم اعلیٰ احمد نواز انجم نے بلوچستان کے مختلف اضلاع اور تحصیلوں میں قائد ڈے کی مناسبت سے منعقدہ تقاریب میں شرکت کی اور خطابات کیے۔

نائب ناظم اعلیٰ مظہر محمود علوی نے سندھ، نائب ناظم اعلیٰ عرفان یوسف نے KPK اور گلگت میں منعقدہ قائد ڈے تقریبات میں خصوصی شرکت کی اور اظہار خیال کیا۔

''دستورِ مدینہ اور فلاحی ریاس کا تصور'' ایوان اقبال لاہور میں عظیم الشان تقریب رونمائی

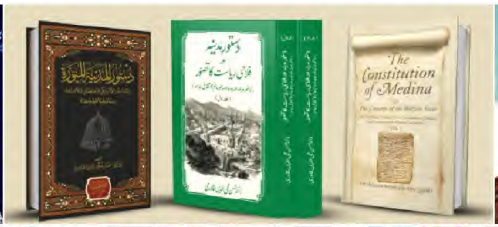

شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری کی 73ویں سالگرہ پر مرکزی سیکرٹریٹ میں دعائیہ تقریب

Monthly
MINHAJ-UL-QURAN LAHORE
MAR-2024
Regd CPL No.41

Minhaj University Lahore

ADMISSIONS
Spring 2024

- ADP
- BS
- BS 5th Semester
- M.Phil

SCHOLARSHIP FOR EVERY 3rd STUDENT
150+ MARKET ORIENTED PROGRAMS
World Ranked GREEN CAMPUS
Centrally located
HOSTELS
16 STUDENTS CLUBS
SPORTS

APPLY ONLINE
admission.mul.edu.pk
03 111 222 685 | 042 35145629